Is Quranic Principle Are

UNIVERSAL?

ALLAMA BARAKAT ULLAH, M.A.F.R.A.S

توضیح البیان فی اصولِ قرآن

علامہ برکت اللہ

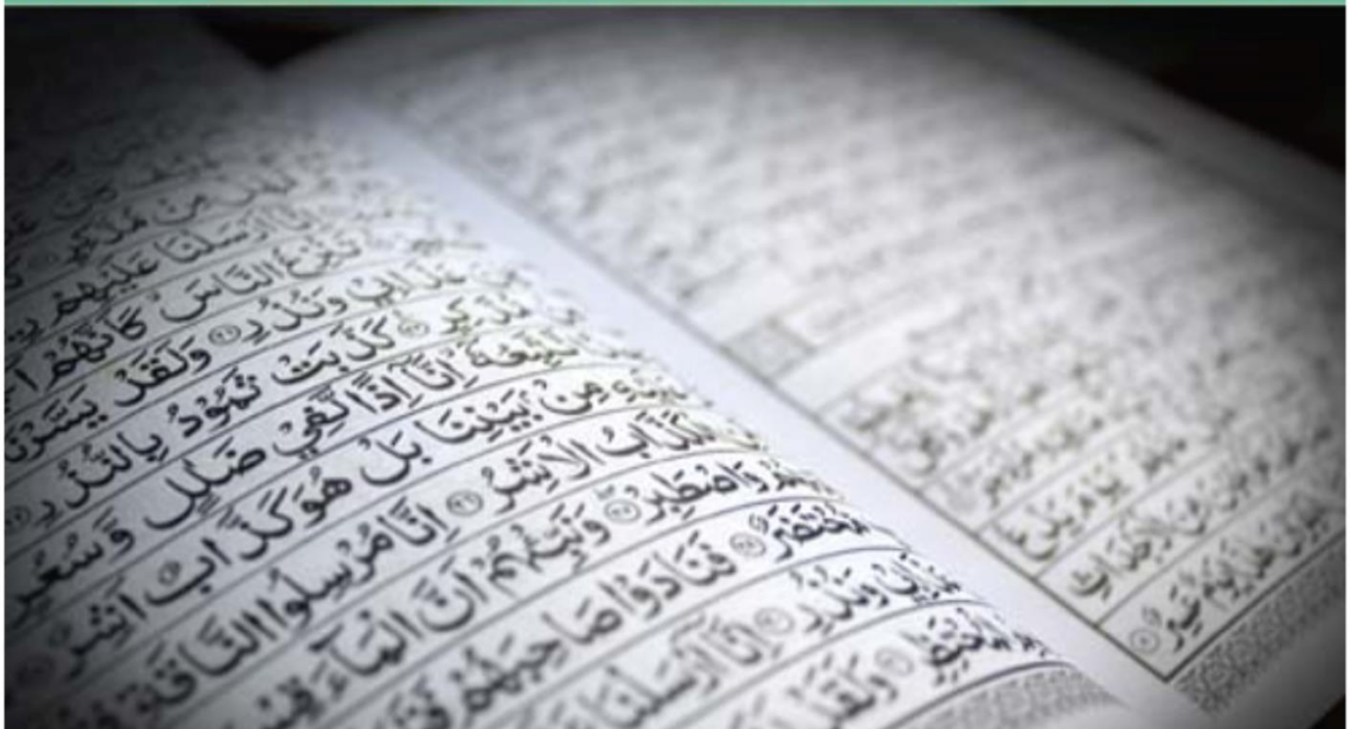

1939

www.noor-ul-huda.com

إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ

(ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا تاکہ تم جو اہل عرب ہو اس کو سمجھو)

Indeed, we have made it an Arabic Qur'an that you might understand.

(سورہ زخرف آیت ۲)

Is Quranic Principle Are Universal?

Allama Barkat Ullah

توضیح البیان فی اصول القرآن

جس میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ آیا اسلام کے اصول

میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت ہے یا نہیں

مصنفہ

علامہ برکت اللہ۔ ایم۔ اے ایم۔ آر۔ اے۔ ایس

مصنف

مسیحیت اور سائنس۔ دشت کربلا یا کوہ کلوری۔ محمد عربی۔ نور الہدیٰ

دین فطرت اسلام یا مسیحیت؟ اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی؟

مسیحیت کا عالمگیری۔ صحت کتب مقدسہ وغیرہ وغیرہ

1939

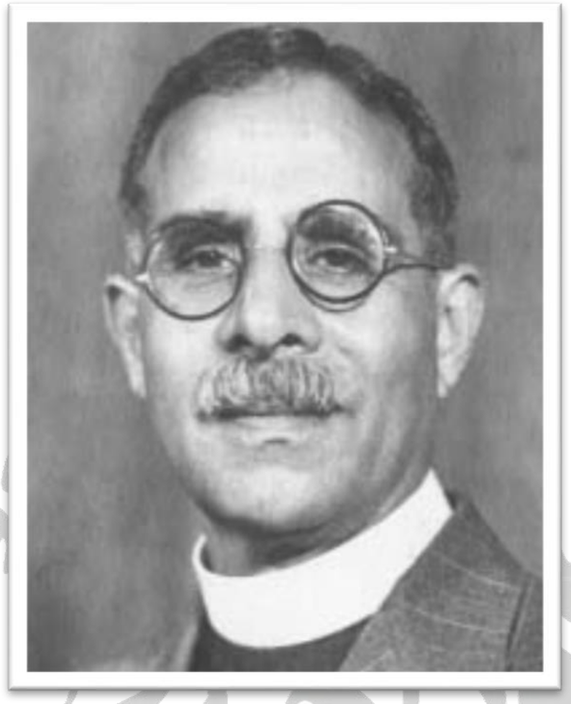

1891-1972

ALLAMA BARAKAT ULLAH, M.A.F.R.A.S

Fellow of the Royal Asiatic Socieity London

فہرست مضامین

دیباچہ

فصل اوّل	حضرت محمد صرف قوم عرب کے رسول تھے	۷
فصل دوئم	تصورِ خدا	۱۳
فصل سوئم	اصولِ اخوّت	۱٦
فصل چہارم	اصولِ مساوات	۲۸
فصل پنجم	اصولِ عبادت	۴۰
فصل ششم	اصولِ شریعت	۴٦
فصل ہفتم	قرآن غیر مکمل کتاب ہے	۵۷

دیباچہ

رسول عربی نے اپنی وفات سے کچھ مدت پہلے جمعۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں اہل عرب کو یہ پیغام سنایا تھا۔

أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِينًا

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو چنا (سورہ مائدہ آیت ۵)۔

(۱)

منجی عالمین سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنی رسالت کے ابتدائی ایام میں علی الاعلان (گواہوں کے روبرو) فرمایا تھا کہ آپ کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ بنی آدم کی نجات کا کام مکمل اور پورا ہو (یوحنا۳:۱۶؛۴:۳۴)۔ مصلوب ہونے سے ایک رات پہلے آپ نے خدا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "بنی آدم کی نجات کا کام جو تو نے مجھے کرنے کو دیا تھا اس پورا کرکے میں نے زمین پر تیرا اجلال ظاہر کیا" (یوحنا۱۷:۴)۔ اور صلیب پر سے آپ نے دم واپسیں (نزع کی حالت، آخری وقت) اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ "پورا ہوا اور آپ نے جان دے دی" (یوحنا۱۹:۳۰)۔

پس ارضِ مقدس کے کوہِ کلوری سے اور دشتِ عرب کے شہر مکہ سے ایک ہی آواز بلند ہوتی ہے کہ "پورا ہوا" گذشتہ تیرہ (۱۳) صدیوں سے مسیحیت اور اسلام میں متنازعہ فیہ امر (وہ فعل جس میں تکرار یا جھگڑا ہو) یہی رہا ہے کہ کونسا مذہب جامع کامل اور عالمگیر ہے؟ کس دین کے اصول بنی نوع انسان کی اقوام و ملل (مذاہب، ادیان، ملت) کی روحانی اقتضاؤں (تقاضاؤں) کو پورا کرتے ہیں؟ کس مذہب کا بانی انسانِ کامل ہے جو کل دنیا کی اقوام کے افراد کے لئے کامل اور اکمل نمونہ ہو سکتا ہے؟ کونسا مذہب گم شدہ گنہگار انسان کو یہ توفیق بخش سکتا ہے کہ وہ از سرِ نو دنیا، نفس اور شیطان پر غالب آکر صراطِ مستقیم پر چل سکے؟

(۲)

ہم نے اپنی کتاب "مسیحیت کی عالمگیری" (جو کہ ویب سائٹ پر عالمگیر مذہب کے نام سے دستیاب ہے) میں مندرجہ بالا سوالوں پر بالتفصیل بحث کرکے ثابت کردیا ہے کہ مسیحیت کے اصول جامع اور کامل ہیں۔ اور ان میں یہ صلاحیت ہے کہ دنیا کی ہر قوم وملت کی رہنمائی کر سکیں۔ ہم نے شخصیتِ مسیح پر مفصل بحث کرکے ثابت کیا ہے کہ ابن اللہ دنیا کے تمام افراد کے لئے ایک ایسا کامل نمونہ ہیں جو بنی نوع انسان کو شیطان کی غلامی سے نجات دے کر یہ توفیق بخشتے ہیں کہ وہ خدا کے فرزندوں کی طرح زندگی بسر کر سکیں۔

ہم نے اپنی کتاب "دین فطرت اسلام یا مسیحیت؟" میں یہ ثابت کیا ہے کہ مسیحی اصول نوع انسانی کے فطرتی میلانات اور رجحانات کو بطرز احسن پورا کرتے ہیں۔ ہم نے اس نقطہ نگاہ سے اسلامی اور مسیحی تعلیمات کا موازنہ اس غرض سے کیا ہے کیونکہ بعض مسلم علماء اسلام کی حقانیت کے ثبوت

میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اسلام دینِ فطرت ہے لہٰذا وہ برحق ہے۔ چنانچہ مرحوم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب دہلوی، سرسید احمد بالقابہ کی پیروی کرکے کہتے ہیں۔

"تمام ادیان میں دینِ فطرت ہی دینِ برحق ہے۔ دین اسلام وہی دین فطرت ہے یعنی فطرت اور اسلام نام دو ہیں مصداق اور مسمیٰ ایک ہے"۔

(امہات الامتہ صفحہ ۵۰)

پس ہم نے اپنی کتاب "دین فطرت۔اسلام یا مسیحیت ؟" میں اسلامی اور مسیحی اصول دین کا بشری طبیعت کے نقطہِ نگاہ سے مقابلہ اور موزانہ کیا ہے۔ منصف مزاج ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ ہر دو مذاہب میں کونسا مذہب درحقیقت دینِ فطرت کہلانے کا مستحق ہے۔

(۳)

اس مختصر رسالہ میں ہم فقط اسلامی اصول پر ہی بحث کرنے پر اکتفا کریں گے۔ اور انشاء اللہ یہ ثابت کریں گے کہ اسلامی اصولِ دین بذاتِ خود غیر مکمل اور ناقص ہیں اور عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ہم نے اپنے استدلال (دلیل، ثبوت) کی بنا قرآن اور صرف قرآن پر ہی رکھیں گے تاکہ برادرانِ اسلام پر اتمام اجحت (فیصلہ کن بات) ہوجائے اور کسی فرقہ کو مجال (قدرت) انکار نہ رہے۔ کیونکہ فی زمانہ میں ایک عام رواج ہوگیا ہے کہ اپنے نظریوں کو تقویت دینے اور استدلال کے آہنی پنجہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ثقہ (معتبر) راویوں کو کاذب (جھوٹا، دروغ گو) اور صحیح حدیثوں کو جھوٹی روایات کہہ دیا جاتا ہے۔ پس ہم نے اپنے جائز حقوق سے دست برداری کرکے بردرانِ اسلام کو یہ رعایت دے دی ہے تاکہ وہ کتاب کے خاص موضوع پر غور کرسکیں اور ان کی توجہ احادیث کے صحیح اور غلط ہونے کی مبحث (بحث، تفتیش) کی آزمائش میں نہ پڑے۔

اس رسالہ میں صرف اسلامی اصول کی غیر مکمل حالت پر بحث کی جائے گی۔ انشاءاللہ کسی دوسرے رسالہ میں ہم اسلامی تاریخ پر تبصرہ کرکے ثابت کریں گے کہ اسلامی اصول میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت مطلق موجود نہیں ہے کیونکہ جب کبھی ان کا اطلاق غیر عرب ممالک پر کیا گیا تو ترقی کا باب مسدود (بند) ہوگیا۔

(۴)

چوتھی صدی شہنشاہ تھیوڈوسیس اول **(Theodosius** ۱)نے شہر دمشق میں "مقدس یوحنا اصطباغی" کا عالی شان گرجہ **(Church Of St.John The Baptist)** تعمیر کیا۔ جب اہل اسلام نے اس شہر پر قبضہ کرلیا تو انہوں نے اس خوبصورت گرجا کے آدھے حصہ کو مسجد بنالیا۔ اس گرجا کی بیرونی مشرقی دیوار کے پتھروں پر یونانی حروف میں یہ کتبہ کنندہ تھا۔

"اے مسیح تیری بادشاہی ابدی بادشاہی ہے اور تیری حکومت پشت در پشت قائم رہتی ہے" (زبور ۱۴۵: ۱۴)۔ خدا کی قدرت دیکھو یہ کتبہ عرب فاتحین کے ہاتھوں سے محفوظ رہا۔ آٹھویں (۸) صدی کے شروع میں بنی امیہ نے گرجہ کی اندرونی عمارت کو شہید کرکے

اس پر ایک عالی شان عمارت کھڑی کردی جس کی آرائش پر بارہ سو(۱۲۰۰)یونانی صناع (ہنر مند)مامور تھے لیکن گرجا کی بیرونی دیوار ان کی دست برد(لوٹ مار) سے محفوظ رہ گئی۔ گیارہویں(۱۱)صدی میں اس مسجد کو آگ لگ گئی لیکن یہ دیوار بچ گئی اور اس پر کا کتبہ من وعن محفوظ رہا۔ یہ مسجد دوبارہ تعمیر کی گئی لیکن چودھویں(۱۴)صدی میں تیمور کی لوٹ کے دوران میں مسجد کو نقصان پہنچا۔ لیکن دیوار کا کتبہ جوں کا توں قائم رہا۔ اس دیوار کے قریب **اہل اسلام نے منارۃ المسیح بھی بنایا ہے اور حدیث کے مطابق سیدنا عیسیٰ مسیح کی آمد ثانی اسی منارہ پر ہوگی۔** پس یہ کتبہ صدیوں سے کلیسیا کے لازوال ایمان کا خاموش گواہ رہا ہے کہ **"مسیح کی بادشاہی ابدی بادشاہی ہے اور اس کی حکومت پشت در پشت قائم رہتی ہے"۔**

جب مسلمانوں نے مسیحی دارالسلطنت قسطنطنیہ کو جس کا موجودہ نام استنبول ہے فتح کیا تو وہاں کے عالی شان گرجا سینٹ صوفیا (St. Sophia Church) کو مسجد بنادیا گیا۔ اور زمین سے ایک سواسّی(۱۸۰)فٹ اونچی جگہ پر جہاں صلیب نصب تھی ہلال کا نشان قائم کردیا گیا۔ مسلمان فاتحین نے گرجا کی عمارت میں مسیحیت کے تمام نشانات مٹادئے۔ اس کے اندر قرآنی آیات لکھی گئیں۔ اسلامی منبر کھڑا کردیا گیا۔

اور ایک طاق قبلہ رو بنائی گئی تاکہ نماز کے وقت اس جانب نمازی منہ پھیر سکیں۔ گرجا کے مشرقی کونہ میں رنگ برنگ قیمتی شیشوں اور چمک دار پتھروں کے نقش ونگار سے منجی عالمین سیدنا مسیح کی شبیہ مبارک بنی تھی جس میں آپ نے اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر تمام دنیا کو برکت دے رہے تھے۔ ترکوں نے اس تصویر پر نقشین بیل بوٹے بنا کر اس کو چھپادیا۔ امتداد زمانہ (مدت دراز) سے وہ بیل بوٹے مٹ گئے اور اب منجی عالمین کی مبارک شبیہ دھندلی طور پر نظر آنے لگی ہے اور آپ اس مسجد سے اپنے ہاتھ پھیلا کر تمام دنیا کو برکت دے رہے ہیں۔

پانچ(۵)سال کا عرصہ ہوا جب اسی مسجد کے شاہی دروازہ کو صاف کیا گیا تو سیدنا مسیح کی ایک اور تصویر پچی کاری(جواہر اور رنگ دار پتھروں کا کام)اور جڑاؤ کام کی نکلی۔ اس تصویر میں ہمارے خداوند ایک مرصّع(آراستہ) تخت پر بیٹھے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک کتاب کھلی ہے جس پر لکھا ہے۔

"السلام علیکم میں دنیا کا نور ہوں"۔

(Manchester Guardian Weekly March 16 1934 , p213).

یہ تصویریں اور کتبے ہم کو یاد دلاتے ہیں کہ گو تاریخ دنیا میں بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخالف طاقتوں نے مسیحیت کے آفتابِ صداقت کو چھپا دیا ہے تاہم بالآخر اس کی روشنی ہر قسم کی تاریکی پر غالب آتی ہے۔ "کلمۃ اللہ میں زندگی ہے اور وہ زندگی آدمیوں کا نور ہے نور تاریکی میں چمکتا ہے اور تاریکی اس پر غالب نہیں آسکتی"(یوحنا ۱: ۴۔۵)سلطان السلاطین مسیح ازل سے ابد تک تخت نشین ہے۔ اس کی بادشاہی ابدی بادشاہی ہے۔ اس کی حکومت پشت در پشت قائم رہتی ہے۔ وہ تمام ممالک واقوام کو اپنی آغوش محبت میں لے کر برکت دیتا ہے اور کل بنی نوع انسان کو برکت دے فرماتا ہے کہ "السلام علیکم دنیا کا نور میں ہوں جو میری پیروی کرے گا اندھیرے میں نہ چلے گا بلکہ زندگی کا نور پائے گا"(یوحنا ۸: ۱۲)۔

ہولی ٹرنٹی چرچ۔ لاہور

اکتوبر ۱۹۳۹ء

برکت اللہ

فصل اوّل

رسول عربی صرف قومِ عرب کے رسول تھے

ہم نے اپنے رسالہ ''اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی ؟''میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ سید نا مسیح نے اپنی رسالت کو یہودی قوم تک ہی محدود نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ کو یہ احساس تھا کہ آپ کے پیغام کے اصول تمام دنیا کی اقوام کے لئے ہیں۔اس کے برعکس اسلام ایک خاص قوم اور ملک یعنی عرب سے مخصوص ہے۔اس کا دستور العمل صرف ان عربوں کے لئے تھا جو تیرہ سو (۱۳۰۰) سال ہوئے ملک عرب میں بستے تھے۔حضرت محمد بھی صرف عرب ہی کے رسول تھے اور آپ کی بعثت (بھیجنے) کا مقصد یہی تھا کہ اپنے ہمعصر اہل عرب کو ہی راہ ہدایت پر لائیں۔چنانچہ قرآن میں اللہ فرماتا ہے۔

وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ

''(اے محمد) تو اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا اور ان کو خدا کی طرف پھیرلا''

(شعرا آیت ۲۱۴)

وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَ مَنۡ حَوۡلَہَا

''ہم نے (اے محمد) تجھ پر عربی زبان میں قرآن نازل کیا تاکہ تو بڑی بستی (مکہ) اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائے''۔

(شوریٰ آیت ۷)

وَ ہٰذَا کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَ لِتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَ مَنۡ حَوۡلَہَا ؕ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَ ہُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ

''یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے برکت والی ہے اور پہلی کتابوں کی مصدق اس لئے ہے کہ اس شہر مکہ اور اس کے نواحی کو ڈرائے'' الخ۔

(انعام آیت ۹۲)

رسول عربی اہل عرب کی خاطر اس واسطے مبعوث ہوئے تھے کہ ان معارف (معرفتہ کی جمع، علوم وفنون، شناسائیاں) حقائق اور اصول کو جو عبرانی اور یونانی کتب مقدسہ میں تھے ''فصیح عربی زبان'' میں عربوں کو بتادیں اور اس طرح ان کو عالمگیر مذہب یعنی مسیحیت کی تعلیم اور اصول سے واقف کرادیں کیونکہ اس کی کتب مقدسہ ''ہدایت'' ''نور'' اور '' علی الذیٔ احسن و تفصیلاً کل شئی '' تھیں لیکن عرب ان کتب کی زبانوں سے ناآشنا تھے اور کہتے تھے کہ

اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا۪ وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ

"اللہ کی کتاب یہود اور نصاریٰ دو ہی فرقوں پر اتری ہے اور ہم تو اس کو پڑھ نہیں سکتے"۔

(انعام آیت ۱۵۶)

آنحضرت نے ان کا یہ عذر رفع کر دیا اور عبرانی اور یونانی کتب مقدسہ کا مفہوم عربی زبان میں ادا کر کے عرب پر اتمام حجت کر دی چنانچہ قرآن میں اللہ فرماتا ہے

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

"ہم نے اس عربی قرآن کو بنایا تاکہ اے عرب تم اسے سمجھو"۔

(زخرف آیت ۳)

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ

"اب تو تمہارے رب کی طرف سے تم کو حجت اور ہدایت اور رحمت آ گئی پھر اس شخص سے کون زیادہ ظالم ہے جو اللہ کی آیتوں سے روگردانی کرے۔ ہم روگردانی کرنے والے کو سزا دیں گے"۔

(الانعام آیت ۱۵۷)

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۹۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ (۱۹۳) عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ (۱۹۴) بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ

"اے پیغمبر کچھ شک نہیں کہ یہ قرآن پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے جس کو جبریل امین نے ہمارے حکم سے سلیس عربی زبان میں تمہارے دل پر القا کیا ہے تاکہ اور پیغمبروں کی طرح تم بھی لوگوں کو عذاب خدا سے ڈراؤ"۔

(شعرا آیت ۱۹۲۔۱۹۵)

حضرت محمد اہل عرب کو کہتے تھے کہ جس طرح اہل یہود کے انبیاء مرسل من اللہ تھے اور ان کی کتب برحق ہیں اسی طرح میں بھی اللہ کی جانب سے عرب کی طرف رسول ہو کر بھیجا گیا ہوں اور میرا قرآن بھی سچا ہے کیونکہ اس میں وہی احکام ہیں جو یہود و نصاریٰ کی کتب میں ہیں۔

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ

"یہ قرآن ایسا نہیں جس کو اللہ کے سوا کوئی اور گھڑے۔ وہ کتب سابقہ کی تصدیق کرتا ہے اور بائبل کی تفصیل ہے جس کی نسبت کوئی شک نہیں کہ وہ پروردگار عالم کی طرف سے ہے"

(یونس آیت ۳۷، نیز دیکھو طٰہٰ ع ۸۔ شعراء ع ۱۱۔ بقرع ۲۶۔ حدید ع ۱۱۔ یوسف ع ۱۲۔ بقرع ۱۲۔ انعام ع ۱۱، ع ۱۹۔ مائدہ ع ۷، ع ۹، ع ۱۰۔ نساء ع ۷۔ بقر ع ۵، ع ۱۱۔ مومن ع ۶ وغیرہ)

آنحضرت نے کفارہ کو کہا کہ تمہارے دلوں میں یہود و نصاریٰ کی کتب کا وقار ہے پس قرآن کو بھی مان لو کیونکہ

وَاِنَّهٗ لَفِىْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۱۹۷)

"یہ قرآن اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں موجود ہے کیا اہل مکہ کے لئے (اس کی صداقت کی دلیل) یہ کافی نہیں کہ اس قرآن (کے مضامین) سے علماء بنی اسرائیل واقف ہیں"

(شعر آیت ۱۹۶ تا ۱۹۷)۔

پس مندرجہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ آنحضرت کا پیغام اہل عرب تک محدود تھا۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ جس طرح اہل یہود و نصاریٰ شرک اور بت پرستی کو ترک کرکے ابراہیم خلیل اللہ کے مذہب کی پیرو ہیں اسی طرح آپ کے ہمعصر کفار عرب بھی بت پرستی اور شرک سے منہ موڑ کر خدا کی توحید پر ایمان لائیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے اہل عرب کو یہ آیت سنائی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

"اے اہلِ عرب۔ خدا فرماتا ہے آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور (اے عرب کے لوگو) میں نے تمہارے لئے اسلام کو چنا"

(مائدہ آیت ۳)

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت نے فرمایا تھا کہ آپ کا دین سب پر غالب رہے گا۔ پس آنحضرت کے خیال میں اسلام صرف عرب کے لئے ہی نہ تھا۔

لیکن اس قول سے آنحضرت کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسلام اقوامِ عالم کا مذہب ہوگا بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ عرب میں اسلام سیاسی طور پر غالب رہے گا اور گو ملکِ عرب میں کفار اور یہود اور نصاریٰ کے مذاہب ہوں گے لیکن مسلمان سب پر حکومت کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت دی کہ

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (۱) لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (۲) وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ (۳) وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ (۴) وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ (۵) لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (۶)

"(اے محمد) تو کہہ دے کہ اے کافرو میں ان چیزوں کی ہر گز پرستش نہ کروں گا جن کی تم پرپرستش کرتے ہو اور جس کی میں پرستش کرتا ہوں تم اس کی پرستش کرنے کے نہیں۔ پس تمہارے واسطے تمہارا دین اور میرے واسطے میرا دین ہے"

(سورہ الکافرون آیت ۱۔۶)

اور یہود کی نسبت قرآن میں خدا کہتا ہے

وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ (۴۳) اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ

"یہ لوگ کیوں تمہارے پاس جھگڑے فیصلے کو لاتے ہیں جب کہ خود ان کے پاس توریت ہے اور اس میں حکم خدا موجود ہے۔ بیشک ہم ہی نے توریت نازل کی جس میں ہر طرح کی ہدایت اور نور ایمان ہے۔ خدا کے فرمانبردار انبیاء بنی اسرائیل اسی کے مطابق حکم دیتے چلے آئے ہیں" الخ۔

(سورہ المائدہ آیت ۴۳۔۴۴ ترجمہ نذیر احمد)

پھر اسی کے آگے نصاریٰ کو کہتا ہے کہ وہ بھی انجیل پر چلیں۔

وَ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ ۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (۴۶) وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۴۷)

"ان ہی بنی اسرائیل کے انبیاء کے قدم بقدم ہم نے عیسیٰ بن مریم کو توریت کا مصدق بنا کر بھیجا اور ہم نے اس کو انجیل دی جو ہدایت اور نور ہے اور پرہیز گاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔ اور چاہیے کہ اہل انجیل اس کے موافق جو اللہ نے انجیل میں نازل کیا ہے۔ حکم دیا کریں اور جو کوئی خدا کے ان نازل کئے ہوئے حکموں کے مطابق حکم نہ دے تو وہ فاسق ہے"۔

(سورہ المائدہ آیت ۴۶۔۴۷)

پس رسول عربی کا حقیقی منشاء یہی تھا کہ ملک عرب میں کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی بسیں لیکن مسلمان حاکم ہو کر رہیں اور دیگر محکوم کی حالت میں ذلیل ہو کر رہیں اور جزیہ دیں۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ (۲۹)

"جو لوگ اہل کتاب میں سے خدا پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں"۔ (سورہ توبہ آیت ۲۹)۔

مشہور فاضل مستشرق ایف بہل (.F.Buhl) نے اس سوال پر ۱۹۲۶ء کے "اسلامیکا جلد ۲" (Islamic ۱۹۲٦ Vol ۲) میں مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ابتدا میں اسلام کا ہر گز منشاء نہ تھا کہ غیر عرب کو اپنا حلقہ بگوش کرے۔ ایک اور فاضل مستشرق لیوی کا خیال ہے[1] کہ وہ خطوط جن کی نسبت یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ آنحضرت نے ان کو ایام مدینہ میں مختلف ممالک کے روساء (امراء) کے پاس بھیجا تھا بعد کی نسلوں نے وضع کئے ہیں۔ اس کے خیال میں اگر ہم تمام شہادتوں کی مدِ نظر رکھیں تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ رسول عربی کے دل میں بعثت کی ابتدا میں مکی ایام میں ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد ڈالنے کا خیال کبھی نہ آیا تھا آپ کا واحد مقصد یہ تھا کہ آپ اپنے ہم وطنوں کو یہ یقین دلائیں کہ آپ خدا کی طرف سے فرستادہ (ایلچی، قاصد) رسول بر حق تھے۔

مدنی ایام میں بھی رسول کی ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ کسی نہ کسی طرح مکہ کو جو عرب کا روحانی مرکز تھا۔ فتح کیا جائے اور اگرچہ آپ کی حین حیات میں اور آپ کی وفات کے بعد دیگر شہر اسلام کے قبضے میں آئے تاہم مکہ ابتدا سے آج تک اسلام کا روحانی مرکز چلا آیا ہے۔ شہر مکہ غیر عرب کی نظر میں کوئی خاص وقعت نہ رکھتا تھا، لیکن اس کا اسلام کا روحانی مرکز ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام مکہ اور عرب کے قبائل کے لئے تھا۔ رسول عربی نے مدنی ایام میں مکہ کے خانہ کعبہ کو یروشلم کی بجائے قبلہ مقرر کیا اس سے بھی ظاہر ہے کہ آپ کے خیال میں آپ کا مشن عرب اور صرف عرب تک ہی محدود تھا۔

پس جس طرح دیگر پیغمبر اپنی اپنی قوم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح آنحضرت بھی قوم عرب کی طرف بھیجے گئے تھے تا کہ عربی زبان میں کلام کرنے کے مشرکین اور بت پرست کفار پر اتمام حجت کریں جو کہتے تھے کہ ہم غیر عربی زبانوں سے ناواقف ہیں ہم کو وحدت الٰہی کا پیغام کسی نے نہیں سنایا اگر خدائے واحد کو یہ منظور ہوتا کہ ہم بھی مثل دیگر اقوام یہود و نصاریٰ کسی واحد خدا کو مانتے تو وہ ہماری قوم کی طرف بھی کسی کو رسول بنا کر بھیجتا جو ہماری اپنی زبان میں ہم کو پیغام دیتا۔ پس آنحضرت کے صحیح مخاطب عرب اور اہل عرب ہی تھے آپ قوم عرب کی خاطر مبعوث ہوئے تھے اور آپ کا

[1] Sociology of Islam by Reuben Levy. Vol 11

پیغام اور رسالت اُم القریٰ مکہ اور اس کی نواحی تک ہی محدود تھا۔ غرض یہ کہ آپ ہر پہلو اور ہر نقطہ نظر سے رسول عربی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آنخضرت کی نسبت کہا جاتا ہے۔ ع

مرحبا سیدِ مکی مدنی والعربی

آنخضرت کی وفات کے بعد حضرت عمر کے زمانہ میں اسلام غیر عرب ممالک میں پھیلنے لگا لیکن اسلاف (سلف کی جمع بزرگ) کا یہ خیال کہ مسلمان فاتحین محض اسلام اور قرآن کو پھیلانے کی خاطر غیر ممالک پر فوج کشی کرتے تھے غلط ہے۔ رسول عربی کی وفات کے بعد منافقین اور مرتدین کا گروہِ کثیر، صحابہ رسول اور اہل بیت کی اندرونی کشمکش، قریش اور غیر قریش کی رقابت، جنگ جمل اور واقعہ کربلا وغیرہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ درحقیقت اسلام کا درد صرف معدودے چند لوگوں کے دلوں میں تھا۔ جو نبی عرب کی شخصیت سے متاثر ہو چکے تھے۔ باقی عرب اسلام کی بابت بہت کچھ جانتے تھے اور نہ پرواکرتے تھے۔ جو شے عرب کو ان کے صحرائی جزیرہ نما سے باہر نکال لائی وہ اسلام کا پاس نہ تھا بلکہ ان کی اقتصادی حالت اور ان کی بھوک اور پیاس تھی۔

علاوہ ازیں مسلمان فاتحین کی سب سے زبردست فتوحات ملکِ شام میں واقع ہوئیں جو خلفائے بنی امیہ کا حصین (فصیل نما) قلعہ تھا۔ ان فتوحات کا اصلی سبب مسیحی فرقوں کی باہمی پرخاش (جھگڑا، فساد) تھا۔ جس کی وجہ سے سلطنت روم (قسطنطنیہ) کی مسیحی افواج نے اپنے ہمراہی افواج سے غداری اختیار کرکے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اگر یہ غدارانہ رویہ اختیار نہ کیا جاتا تو اسلامی تاریخ کے اوراق کسی اور طرح لکھے جاتے اور اسلام جزیرہ نمائے عرب تک ہی محدود رہتا جیسا اس کے بانی کا مقصد اور منشاء تھا۔

فصل دوم

تصورِ خدا

عالمگیر مذہب کی لازمی شرط یہ ہے کہ اس کے اصول دنیا کے کل ممالک اور اقوام پر حاوی ہو سکیں اور اس کا پیغام یہ اہلیت رکھتا ہو کہ زمان و مکان کی قیود (قید کی جمع، بندش) سے آزاد ہو اور کسی خاص قوم یا زبان یا ملک سے متعلق نہ ہو تاکہ ہر قوم اور ملک اور زمانہ کے افراد اپنے خاص حالات پر اس کا اطلاق کرکے اس کی تعمیل کر سکیں۔

(۱)

ہم نے اپنی کتاب "مسیحیت کی عالمگیری" کے باب دوم میں یہ ثابت کیا ہے کہ مسیحیت کی تعلیم کی اساس (بنیاد) خدا کی محبت اور ابوت اور انسانی اخوت اور مساوات ہیں۔ اس حقیقت سے کسی صاحبِ عقل کو انکار کی مجال نہیں۔ چنانچہ مرحوم سید امیر علی صاحب (جن سے بڑھ کر اس زمانہ میں کوئی دوسرا حامی اسلام نہیں گذرا) اس حقیقت کا اعتراف بایں الفاظ کرتے ہیں

"خدا کی ابوت کا جو تصور جنابِ مسیح کا تھا اس میں کل بنی آدم شامل ہیں۔ ہر انسان خدا کا فرزند ہے اور آپ ازلی باپ کی طرف سے تمام انسانوں کے ہادی ہو کر آئے تھے" [1]

(۲)

یہ ظاہر ہے کہ مسیحیت کے یہ اصول اعلیٰ تریں ہیں اور زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہیں لہٰذا ہر زمانہ میں ہر ملک اور قوم کے افراد ان پر عمل کر سکتے ہیں لیکن یہ عالمگیر اصول اسلام میں کالنادر فی المعدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ **اسلام میں خدا کے ننانوے (۹۹) نام ہیں لیکن ان ننانوے (۹۹) ناموں میں "اب" یعنی باپ کا نام موجود نہیں اور نہ اس لفظ کا لطیف اور پاکیزہ مفہوم کسی اور نام سے قرآن میں موجود ہے۔** خدا کے تصور "اب" یا "رب" ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ پہلا تصور کلمۃ اللہ کا ہے۔ دوسرا تصور اسلامی تصور ہے۔ جو اسلام کی طبیعت، اصول اور شیوہ کا مظہر ہے۔ یہی تصور اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کے مانع (منع کرنے والا) ہے۔ رب کا تصور اسلام کی روح رواں ہے۔ اور آنحضرت نے دیدہ دانستہ اس کو "باپ" کے تصور کی بجائے قائم کیا تاکہ خدا کے "باپ" ہونے کا تصور لوگوں کے دلوں سے نکل جائے۔ چنانچہ ابوداؤد کتاب "الطب" میں لکھا ہے [2] حضرت نے فرمایا کہ

> **"اگر کوئی بیمار ہو تو وہ یہ دعا پڑھے۔ اے ہمارے رب جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک کے مانا جائے۔ تیری قوت آسمان اور زمین پر ہے۔ جس طرح آسمان پر تیرا رحم ہے اسی طرح زمین پر بھی ہو ہمارے قصوروں اور گناہوں کو معاف کر کہ تو نیک لوگوں کا مولیٰ ہے اور اپنے رحم سے ہم پر رحم نازل کر"۔**

جو لوگ جنابِ مسیح کی دُعا (متی ۶: ۹۔ ۱۳) سے واقف ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ مذکورہ بالا دعا میں خدا کی نسبت لفظ "باپ" کی بجائے لفظ "رب" دیدہ دانستہ استعمال کیا گیا ہے۔ اسلام کا اللہ تعالیٰ حی القیوم، قادر مطلق، قہار اور جبار ہے۔ اس کا اور خلق کا باہمی تعلق خود مختار سلطان اور رعیت ، آقا اور غلام کا تعلق ہے۔ خدا اور اس کی مخلوق میں باپ اور بیٹے کا تعلق نہیں۔ اگر اللہ مہربان غفار اور الرحمٰن الرحیم ہے تو اپنی پدرانہ شفقت اور ازلی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ خسروانہ (بادشاہی، شاہانہ) عنایت کی وجہ سے ہے۔ اگر آقا چاہے تو اپنے غلام کو معاف کرے اگر چاہے تو سزا دے۔ سب کچھ اللہ کی مطلق العنان مرضی پر موقوف ہے جس کو چاہے معاف کرے جس کو چاہے عذاب دے۔ (بقر آیت ۲۸۴، آل عمران ۲۵ و ۳۵، مائدہ آیت ۴۴)۔ پس قرآن کا اللہ ایک قادر مطلق سلطان ہے جو ایک ذمہ وار ہستی نہیں بلکہ

إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ

---

1 Spirit of Islam .p.232

2 Browne's Eclipse of Christianity in Asia . ch:7

"اللہ جو چاہے حکم دے"۔

(مائدہ آیت ۱)

لہذا قربانیوں کے وسیلہ سے اس کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن مسیحیت کا خدا محبت کا خدا ہے۔ "وہ گنہگاروں کی موت نہیں چاہتا" بلکہ یہ چاہتا ہے کہ گنہگار اس کی جانب رجوع کرے۔ جس طرح دنیاوی باپ کی محبت اور دنیاوی ماں کی ممتا اس بات کی متقاضی (تقاضا کرتی) ہے کہ ان کا نافرمان بیٹا ان کی جانب رجوع کرے اور اس بات کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اسی طرح خدا کی محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ ہر ممکن طور سے گنہگاروں کو اپنی جانب لائے (یوحنا ۳: ۱۶؛ متی ۱۸: ۱۴؛ مرقس ۲: ۱۷ وغیرہ)۔

چونکہ اسلام کا اللہ محبت نہیں لہذا اس میں محبت کا کفارہ نہیں ہاں قربانی، صدقہ، زکواۃ وغیرہ ہے۔ جس کو پورا کرنے سے ایک قہار اور جبار ہستی کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

لیکن انجیل جلیل کی یہ تعلیم ہے کہ خدا کی ذات محبت ہے (۱۔یوحنا ۴: ۸)۔

قرآن میں خدا محبت ہونے کی بجائے "بے نیاز" ہے (اخلاص آیت ۲) وہ "بے پرواہ" ہے۔ (انعام ۱۳۳۔ ممتحنہ ۶ وغیرہ) محبت اور بے پروائی ایک دوسرے کے کلیتہً متناقض (بالکل اُلٹ) ہیں۔ جہاں محبت ہے۔ وہاں بے پروائی نہیں ہوسکتی اور جہاں بے پروائی ہے وہاں محبت کا نشان تک نہیں ہوتا۔

ہم نے اسلامی تصورِ خدا پر اپنی کتاب "دینِ فطرت۔ اسلام یا مسیحیت ؟" کی فصل دوم میں مفصل بحث کی ہے۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ اس مضمون پر غور کرکے منصفانہ نظر سے خود فیصلہ کریں کہ مسیحیت کے مقابلہ میں اسلامی تصورِ خدا غیر مکمل اور ناقص ہے یا نہیں۔ انجیل جلیل میں خدا کی محبت کا بہترین تصور بطرز احسن موجود ہے۔ آنجہانی خواجہ کمال الدین قادیانی تک کو اس بات کا اقبال ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

"میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ جنابِ مسیح مذہبِ محبت کو ہی دنیا میں لائے"۔

(ینابیع صفحہ ۱۱۴)

اسلامی صفات والا خدا دورِ حاضرہ کی پرستش کے لائق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ محض ایک مطلق العنان بادشاہ ہے، جس کی قدرت اس کی طاقت کے مظاہرہ پر ہی مشتمل ہے، لیکن ہم اس قسم کے تصورات سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ دورِ حاضرہ کے لوگ صرف ایسے خدا کو ہی مان سکتے ہیں جس کی ذات محبت ہے۔ پس اسلامی تصور موجودہ نسل کے لئے ناقص ہے لیکن مسیحی تصورِ خدا ایک کامل تصور ہے۔ جو تمام اقوام ممالک واز منہ کے لوگوں کے لئے بشارت کا باعث رہا ہے۔

فصل سوم

اصولِ اخوّت

(۱)

ہم نے اپنی کتاب ''مسیحیت کی عالمگیری'' کے بابِ دوم میں اس موضوع پر مفصل بحث کرکے یہ بتلایا ہے کہ انجیل جلیل اخوتِ انسانی کا سبق دیتی ہے اور مساوات کی تعلیم و تلقین کرتی ہے۔چونکہ خدا کل بنی نوع انسان کا باپ ہے۔ للہذا سب بنی آدم ایک دوسرے کے بھائی ہیں کلمۃ اللہ نے حکم دیا کہ سب انسان بلاامتیاز رنگ نسل، مذہب، درجہ یا قوم وغیرہ ایک دوسرے سے اپنے برابر محبت رکھیں۔

(۲)

لیکن قرآن مجید اخوتِ انسانی کی تعلیم نہیں دیتا۔ہاں اخوتِ اسلامی کی تعلیم ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

''سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں'' الخ۔

(سورہ الحجرات آیت ۱۰)

پس قرآن اخوتِ انسانی کو محدود کرکے لاتعداد انسانوں کو اخوت کے حلقہ سے خارج کردیتا ہے۔اوران کی نسبت حکم کرتا ہے کہ

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

''(اے مسلمانو) ان کو یہاں تک قتل کرو کہ فتنہ (یعنی غلبہ کفر) نہ رہے اور تمام دین خدا کا ہو جائے۔جنگ کفار کے لئے جس قدر تم سے ہوسکے قوت اور گھوڑے باندھنے کی تیاری کرو تاکہ ایسا کرنے سے تم اپنے اور خدا کے دشمنوں کو ڈراؤ۔اے نبی۔مسلمانوں کو لڑائی پر ابھارو''۔

(سورہ انفال آیت ۳۹ ترجمہ فیض بخش ایجنسی)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

''اے نبی۔کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اوران پر سختی کر''۔

(سورہ تحریم آیت ۹)

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ

”البتہ اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بصف ہو کر اس طرح لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پگھلائی دیوار ہیں“۔

(سورہ صف آیت ۴)

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

”تم پر قتال فرض کر دیا گیا اور وہ تم پر شاق گذرتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک بات تم کو بری لگے لیکن وہ در حقیقت تمہارے لئے اچھی ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے“۔

(سورہ بقر آیت ۲۱۶)

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ

”تم کافروں کے مقابلہ میں جہاں تک تم سے ہو سکے اپنا زور تیار رکھو اور گھوڑے باندھے رکھو۔ اس سامان سے اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن اور ان کے سوا دوسروں پر تمہاری دھاک رہے گی جن کو تم نہیں جانتے پر اللہ جانتا ہے“۔

(سورہ انفال آیت ۶۰)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ

”مومنو۔ اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان کی نسبت کفر کو دوست رکھیں تو تم ان کو اپنا رفیق نہ بناؤ“۔

(سورہ توبہ آیت ۲۳)

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا

”تو کافروں کی بات نہ مان اور ان کا بڑے زور کے ساتھ مقابلہ کر“۔

(فرقان آیت ۵۴)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ
فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ
مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ
الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ
مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

"مومنو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کو اور میری مرضی کی تلاش میں نکلے ہو تو ان کو دوست نہ بناؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہارے رشتے کام آئیں گے اور نہ تمہاری اولاد۔ اللہ تم کو ان کی دوستی سے منع کرتا ہے جو دین پر تم سے لڑے۔ مومنو۔ جب تمہارے پاس ایماندار عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کافروں کی طرف واپس نہ لوٹاؤ۔ نہ وہ کافروں کو حلال ہیں اور نہ کافر اُن کو حلال ہیں۔ اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی عورت تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں میں جا ملے تم کافروں کو کھپا مارو"۔

(سورہ ممتحنہ آیت ۱۰۔۱۱؛ سورہ انفال ع ۲، سورہ نساء ع ۱۷ وغیرہ وغیرہ)۔

ہم آیات قرآنی کے اقتباسات کرکے اس رسالہ کو طول نہیں دینا چاہتے۔ ناظرین کو اپنے رسالہ "دینِ فطرت۔ اسلام یا مسیحیت" کی فصل پنجم کی طرف متوجہ کرتے ہیں جہاں ان آیات پر بحث کی گئی ہے۔

(۳)

خواجہ کمال الدین مرحوم کہتے ہیں

"فضلائے مسیحیت نے مذہبِ محبت کی فہرست میں اسلام کو داخل کرنے سے تامل کیا ہے۔ ان لوگوں کے دلوں میں شاید ان جنگوں کا خیال ہوگا جن کی اجازت اسلام دیتا ہے لیکن موجودہ جنگ نے اس ہذیان کا منہ بند کر دیا ہے جو اسلام کے خلاف عیسائی مشنری پراپاگنڈا اس امر میں کیا کرتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے جنگِ عظیم پیدا کرکے ان پادریوں کے ہاتھ سے سب ان کے مفروضہ معتقدات خاک میں ملا دئے۔ جون ۱۹۱۷ء میں لندن کا بشپ پادریوں کی ایک جماعت کو گلے میں صلیب لٹکائے ہوئے لندن کے بازاروں میں سے پھرتا ہوا ہائیڈ پارک میں لے گیا۔ وہاں اس نے تقریر کی کہ اس جنگ میں شریک ہونا اور اپنے ملک کو بچانا ہی مذہب ہے۔ پھر اس نے نہایت ہی کمزور طریق پر مسیح کے خطبہ ہی کی ان آیات کی کچھ توضیح بھی کی جو شمولیت جنگ سے روکتی تھی"۔

(ینابیع صفحہ ۱۸۳)

ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر لندن کے بشپ یا کسی پادری نے لوگوں کو لڑائی کرنے پر ابھارا تو اپنے آقا کی تعلیم کی صریح (صاف) خلاف ورزی کی۔ معترض کو خود اقبال ہے کہ "اس نے نہایت ہی کمزور طریق پر مسیح کے خطبہ" سے استدلال کیا۔ مسیحیت جنگ کو ناجائز قرار دیتی ہے چنانچہ تمام دنیا کی بین الاقوامی مشنری کانفرنس نے جو اپریل ۱۹۲۸ء میں یروشلیم میں منعقد ہوئی تھی جنگ کے متعلق یہ قرارداد شائع کی کہ

> "چونکہ مسیحیت صلح کے شہزادے کی روح کا اظہار ہے اور عالمگیر مذہب ہونے کی وجہ سے قومی اور نسلی امتیازات کا اس میں دخل نہیں ہے اور چونکہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ جنگ اس روح کے غالب ہونے میں سدِراہ ہے یہ بین الاقوامی مشنری کانفرنس سب کو دعوت دیتی ہے کہ لگاتار کوشش اور دعا کے ذریعہ تمام روئے زمین کی اقوام کو اس امر پر راغب کریں کہ جنگ کو ترک کرنا ہر ایک قوم کے لائحہ عمل کا جزو ہو جائے اور بین الاقوامی تنازعات پُر امن طریقوں سے فیصلہ پائیں اور اس ذہنیت اور روح کا خاتمہ ہو جائے جو جنگ کی اصل اور حقیقی جڑ ہے"۔

ہر شخص اس امر کو تسلیم کرے گا کہ انجیل جلیل اور کلمۃ اللہ کے خطبات کی بنا پر کوئی شخص لوگوں کو لڑائی کے لئے ابھار نہیں سکتا لیکن قرآن شریف میں صاف طور پر رسول عربی کو حکم ملتا ہے کہ "مسلمانوں کو لڑائی پر ابھار اور کافروں اور منافقوں پر سختی کر"۔ اور ان کو "یہاں تک قتل کر کہ فتنہ یعنی غلبہ کفر جاتا رہے اور تمام دین اللہ کا ہو جائے"۔

(۴)

اہلِ اسلام یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان اسلامی جنگوں کا

> "تعلق حفاظت اور خود اختیاری سے ہے۔ مذہب کی خاطر جنگ کرنا نہ تو اشاعت مذہب کے لئے جائز ہے نہ کسی کو زبردستی مذہب میں داخل کرنے کے لئے"۔

(ینابیع صفحہ ۱۸۴)

مولانا مرتضیٰ احمد خان بھی کہتے ہیں

> "قرآن حکیم میں جس طرح نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ایسے فرائض اساسی کی ادائیگی کے لئے مسلمانوں کو جابجا صاف اور صریح احکام دیئے گئے ہیں اسی طرح حضرت باری تعالیٰ عزاسمہ (اس کے نام کی عزت و تعریف ہو) نے مسلمانوں کو دین مبین کی حفاظت اور اپنے ناموس جانوں اور اموال کی مدافعت کے لئے جابجا قتال فی سبیل اللہ کی تاکید کی ہے"۔

(روزنامہ احسان ۳۱ دسمبر ۱۹۳۴ء)۔

لیکن قرآن کے الفاظ اور بالخصوص آیت قتال کے الفاظ صاف اور واضح ہیں۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

"جب حرمت کے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ ان کو پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات کی جگہ میں ان کے لئے بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کریں (یعنی مسلمان ہو جائیں) اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں تو تم ان کی راہ چھوڑ دو (جہاں چاہیں پھریں)"

(سورہ توبہ آیت ۵ ترجمہ فیض بخش ایجنسی)

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ

"اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ اور آخری دن پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی شئے کو حرام نہیں جانتے اور دین حق (اسلام) قبول نہیں کرتے تم مسلمان ایسوں سے مقابلہ کرو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور ذلیل ہو کر رہیں"۔

(توبہ آیت ۲۹)

اس عذر کے متعلق مرحوم حافظ نذیر احمد دہلوی کے الفاظ غور طلب ہیں اور اس کو عذر لنگ (غلط اور لغو عذر) ثابت کرتے ہیں۔ مرحوم اسلامی جنگوں کے دفاعی دستور العمل پر بحث کے دوران میں فرماتے ہیں کہ

"پیغمبر صاحب کی زندگی میں مخالفین اسلام کے ساتھ لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ لڑائیاں بظاہر دو قسم کی تھیں۔ حربِ مدافعت کہ دشمن مسلمانوں پر چڑھ کر آئے اور مسلمانوں نے ان کو مار ہٹایا اور حربِ تغلب (غلبے کی لڑائی) کہ مسلمان انتقام کے لئے یا تحفظِ آیندہ کی غرض سے اظہارِ شوکت وجلادت (بہادری، چالاکی) کے لئے دشمنوں پر چڑھ کر گئے۔ مارا، لوٹا، کھسوٹا، باندھا، جکڑا، سالماً غانماً واپس آئے۔ گو بظاہر لڑائی کی دو قسمیں تھیں حربِ مدافعت اور حربِ تغلب مگر از بس کہ حربِ تغلب بھی تحفظ آیندہ کے لئے کی جاتی تھی ہم حرب تغلب کو بھی حرب مدافعت کی قسم میں داخل سمجھتے ہیں"۔

(امہات الامتہ صفحہ ۹۳)

(۵)

پس قرآنی آیات اور رسول عربی کی جنگیں اور غزوات مرحوم خواجہ صاحب اور ان کے ہم خیال اصحاب کے عذر کو نامعقول ثابت کرتے ہیں۔ کہ

"اشاعتِ مذہب کی خاطر جنگ کرنا نہ تو جائز ہے"۔ اور نہ کسی کو زبردستی مذہب کے اندر رکھنا جائز ہے۔ قرآن احادیث اور اسلامی تاریخ ثابت کرتی ہے کہ اشاعت اسلام کی خاطر جنگ کرنا اور مسلمانوں کو بذریعہ تلوار حلقہِ اسلام میں رکھنا جائز ہے کیونکہ مرتد (اسلام سے پھرے ہوئے) کی سزا قتل ہے۔ مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار لاہور نے مارچ ۱۹۲۵ء کی اشاعتوں میں اس مسئلہ پر طویل بحث کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام کے دائرہ کو چھوڑنا چاہے تو از روئے اسلام وہ محروم الارث اور مستوجب قتل ہے۔ کفار کو بزور سیف (تلوار کے زور سے) اسلام میں داخل کرنا اور جو مسلمان ہو چکے ہیں ان کو بزورِ سیف اسلام کے دائرہ کے اندر رکھنا غیر منصفانہ احکام اور جانبدارانہ رویہ ہے۔ کسی شخص یا مذہب کو روا نہیں کہ وہ کسی انسان کی ضمیر پر جبر روا رکھے ایسے مذہب کو عالمگیری کا دعویٰ زیب نہیں دیتا۔ لیکن اسلام اس قسم کا جبر روا رکھتا ہے۔ مرتد اس دنیا میں قتل کا اور آئندہ جہان میں دوزخ کا مستوجب ہے۔ (بقر آیت ۲۱۷) قرآنی حکم ہے کہ

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ

"اگر ایماندار عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو انہیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔ لیکن اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی عورت تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں میں جا ملے تو تم کافروں کو کھپا مارو"۔

(سورہ ممتحنہ آیت ۱۱)

(۲)

کوئی مذہب عالمگیر نہیں ہو سکتا جو بنی نوع انسان کے دلوں اور ضمیروں پر جبر روا رکھتا ہے۔ رسولِ عربی اور آپ کے صحابہ خلفائے راشدین نے ان احکام پر عمل کیا۔ چنانچہ جب رسول عربی نے معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ

"عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له حين بعثه الى اليمن: ايما رجل ارتد عن الاسلام فادعه، فان تاب، فاقبل منه، وان لم يتب، فاضرب عنقه، وايما امرأة ارتدت عن الاسلام فادعها، فان تابت، فاقبل منها، وان ابت فاستتبها"۔

"جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے اس کو اسلام کی طرف بلانا۔ اگر وہ توبہ کرے تو قبول کر لینا ورنہ گردن مار دینا۔ اگر کوئی عورت مرتدہ ہو جائے تو اس کو بھی اسلام کی طرف بلانا اگر توبہ کرے تو بہتر ورنہ اس کی بھی گردن مار دینا"۔ (مجمع الزوائد: ۲۶۳، ج: ۶)

جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ

”جس قوم نے جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑا اس کو خدا نے ذلت میں ڈالا۔ میں نے خلافت کو محض اس واسطے قبول کیا کیونکہ مجھے خوف پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں فتنہ اور فتنہ کے بعد ارتداد (روگردانی) نہ ہو جائے“۔

(تاریخ الخلفا مصنفہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۴۴)

رسول عربی کی وفات کے بعد

”اکثر اہل عرب مرتد ہو گئے۔ انہوں نے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ لوگوں میں نفاق پیدا ہو گیا۔ عرب مرتد ہو گئے اور انصار جدا ہو گئے۔ حضرت ابو بکر نے خالد بن ولید کو بھیجتے وقت ہدایت فرمائی کہ مرتدین سے پانچ امور کی نسبت جنگ کرنا اگر کوئی ان میں سے ایک سے بھی انکار کرے تو اس سے ایسا ہی جنگ کرنا کہ وہ پانچوں سے انکاری ہے یعنی لاالہ اللہ اور محمد عبدہ ورسولہ، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا اور روزہ رکھنا ہے۔ خالد و بن ولید روانہ ہوئے۔ مخالفین میں سے گروہ بنی اسد و عطفا وغیرہ بہت سے قتل ہوئے اور بہت سے قید اور باقی اسلام پر قائم ہو گئے“۔

(تاریخ الخلفا صفحہ ۴۷تا۴۹)

جب تک سیف غالب رہی نفاق اور ارتداد (اسلام چھوڑ جانا) مغلوب رہا۔

قرآن گواہ ہے کہ رسول عربی اپنی حین حیات میں منافقین کے ہاتھوں نالاں (روتا ہوا، تنگ، فریادی) رہے تھے آپ نے ان کو بزورِ سیف مسلمان کیا تھا۔ آپ نے منافقین کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس سے آپ عرب کے مختلف قبائل کو چندے یک جا جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن جونہی آپ کی آنکھ بند ہوئی۔ مختلف قبائل میں مثل سابق اختلاف اور جنگ برپا ہو گئے۔ آنحضرت کی وفات کے بعد کی سو (۱۰۰) سال کی تاریخ کے اوراق ان قبائل کی باہمی عداوتوں اندرونی تفرقوں اور خانہ جنگیوں کے خون سے لال نظر آتے ہیں۔ آپ کی وفات کے پچاس (۵۰) سال کے اندر آپ کے کلمہ گو مسلمانوں نے آپ کے خلفاء حضرت عثمان اور حضرت علی کو شہید کر دیا اور آپ کے نواسوں اور ان کی اولاد کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ تاریخ پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ اور آنکھیں مل کر پوچھتا ہے کہ کیا یہ وہی اسلام ہے جس نے ساتویں (۷) صدی میں اہل عرب کو یک جا کر دیا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پچاس (۵۰) سال کے اندر اندر اس کی ترقی مسدود ہو گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان قبائل کا اسلام صرف سطحی اسلام تھا کیونکہ وہ بزورِ شمشیر مسلمان کئے گئے تھے۔

(۷)

مرزائے قادیان نے اسلام میں اصلاح کرنی چاہی تا کہ نئی روشنی کے لوگ اسلامی اصول کو مان سکیں۔ اس مقصد کو زیر نظر رکھ کر اس نے جہاد کے عدم جواز کا فتویٰ دے دیا اور کہا از روئے قرآن جہاد بالسیف جائز نہیں۔ چنانچہ اس کا ایک شعر ہے۔

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

اس پر غیر مرزائی کہتے ہیں کہ

”مرزا صاحب کو یہ حق کس طرح حاصل ہو گیا کہ خدا نے جس بات کو حلال کیا ہے اسے حرام کردیں۔ اگر ان کو ایسا ہی کرنا تھا تو ان کو چاہئے تھا کہ قرآن میں کتربیونت (کانٹ چھانٹ) کرنے کی بجائے کوئی جعلی قرآن بنا لیتے۔ قرآن میں بے سروپا تاویلات کو کوئی گنجائش نہیں“۔

(زمیندار ۶ جولائی ۱۹۳۵ء)

”قرآن پاک کی تعلیم پر بے باکانہ (بے باکی سے، شوخی سے) خطِ نسخ (ایک عربی خط کا نام) کھینچنا کسی مسلمان اور حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے سچے متبع (پیروی کرنے والے) کا کام نہیں ہو سکتا۔ قرآن کے ایک حصہ کا انکار جیسا کہ جہاد و قتال کے بارے میں کیا گیا ہے کلام ربانی کا انکار یعنی اسلام کا انکار ہے“۔

(احسان ۳۱ دسمبر ۱۹۳۴ء)

مرزائے قادیان کے مرید یہی رونا روتے ہیں کہ

”تبلیغ دین کے لئے تلوار کی ضرورت مسلمانوں کے دماغوں پر مسلط رہی“۔

(پیغام صلح ۲۳ جون ۱۹۲۸ء)

اس کے جواب میں مولوی ثناءاللہ امرتسری لکھتے ہیں۔

”چونکہ مسلمان قرآن وحدیث دونو کو مانتے ہیں۔ اس لئے ان کا عقیدہ ہے الجہاد فی ماض الی یوم القیامۃ یعنی جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ اہل حدیث اس حدیث کو بھی ظاہر کرتے اور مانتے ہیں جس میں ارشاد ہے کہ اسلام کی بلندی جہاد میں ہے۔ اہل حدیث قرآن مجید کی اس آیت پر بھی ایمان رکھتے ہیں جس میں ارشاد ہے کہ جو لوگ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا کریں۔ مگر اہلِ حدیث اس جہاد کے لئے ضروری جانتے ہیں کہ امام وقت (امیر) کے حکم کے ماتحت ہو جیسا ارشاد ہے کہ امیر وقت کے حکم کے ماتحت جہاد کیا جائے۔ چونکہ مسئلہ جہاد کے متعلق آیات اور احادیث بکثرت وارد ہیں اس لئے جو آج کل کاریفامر (اصلاح کار) اس مقدس فعل کو منسوخ قرار دیتا ہے اہل حدیث اس کو خود غرض اور خوشامدی جانتے ہیں“۔

(اہل حدیث امرتسر ۱۳ اگست ۱۹۲۸ء)

(۸)

اگر ہم اسلامی تاریخ پر ایک سطحی نظر ڈالیں تو اسلام کے ان ریفرمروں کے دعووں کا پول کھل جاتا ہے۔ سورہ توبہ آیت ۲۹ (جس کا اقتباس اوپر کیا گیا ہے) کی بنا پر عیسائیوں سے نہ صرف جزیہ وصول کیا جاتا تھا بلکہ ان پر ایسی شرائط عائد کی جاتی تھیں جن سے کھلم کھلی بے عزتی ہو مثلاً[1] جزیہ کی شرائط میں ذیل کے امور شامل تھے:۔

[1] - The Eclipse of Christianity in Asia ,by Browne,p.46-47

(۱)وہ پاک کتاب(قرآن)پر حملہ نہ کریں اور نہ اس کو محرف (تحریف کیا گیا) گردانیں۔

(۲)وہ رسول عربی کو کذاب (جھوٹوں کا بادشاہ)نہ کہیں اور نہ اس کی طرف حقارت سے اشارہ کریں۔

(۳)دین اسلام پر کوئی حرف نہ لگائیں اور نہ اس کے خلاف تقریریں کریں۔

(۴)کسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح یازنانہ کریں۔

(۵)کسی مسلمان کو دین اسلام سے نہ پھیریں اور نہ مسلمانوں کو اور نہ ان کے مقبوضات کو نقصان پہنچائیں۔

(۶)وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد نہ کریں اور نہ جاسوسوں کو پناہ دیں۔

ان فرائض کے علاوہ چھ اور شرائط تھیں کہ

(۱)وہ خاص قسم کے کپڑے پہنیں جن سے ان کی امتیاز ہو جائے اور زنّار (وہ تاگہ یا زنجیر جو عیسائی، مجوسی اور یہودی کمر میں باندھتے ہیں) بھی پہنیں۔

(۲)ان کی عمارتیں مسلمانوں کی عمارتوں سے نیچی ہوں۔

(۳)وہ ناقوس (سنکھ جو ہندو پوجا کرتے وقت بجاتے ہیں)نہ بجائیں، نہ اپنی کتب مقدسہ پڑھیں اور نہ سیدنا مسیح کے دعووں کو پیش کریں۔

(۴)اپنے مردوں کو بغیر نوحہ کئے خاموشی سے دفن کریں۔

(۵)وہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں بلکہ خچروں اور گدھوں کو سواری کے لئے استعمال کریں۔

(۶)وہ علانیہ شراب خواری اور خنازیر سے پرہیز کریں اور لوگوں کو علانیہ صلیب نہ دکھائیں۔

موخر الذکر چھ شرائط کا عہد ناموں میں ہونا لازمی نہ تھا لیکن اگر وہ عہد ناموں میں درج ہوتیں تو وہ پہلی چھ شرائط کی طرح لازمی قرار دی جاتیں۔جو عہد نامے عیسائیوں کے ساتھ کئے گئے وہ ظاہر کرتے ہیں کہ فاتح مسلمان جزیہ اور تلوار پیش کرتے تھے۔ چنانچہ خالد بن ولید کو کہتا ہے کہ ’’ابو بکر صدیق نے مجھے حکم دیا کہ جب میں یمامہ سے واپس آؤں تو عراق کے عرب اور غیر عرب کے پاس جاؤں۔ان کو خدا اور رسول کی طرف دعوت دوں بہشت کی خوشخبری سناؤں اور جہنم سے ڈراؤں۔اگر وہ مان لیں تو ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمان کو حاصل ہیں۔جب میں حیرآ میں آیا تو وہاں کے سرکردہ اشخاص میرے پاس حاضر ہوئے۔میں نے ان کو خدا اور رسول کی دعوت دی۔جب انہوں نے ماننے سے انکار کیا میں نے ان کے سامنے تلوار اور جزیہ پیش کیا۔انہوں نے جواب دیا کہ ہم میں طاقت نہیں کہ آپ کے ساتھ جنگ کریں۔آپ ہمارے ساتھ جزیہ کی ان شرائط پر صلح کرلیں جو دیگر اہل کتاب نے مان لی ہیں‘‘[1]۔حضرت ابو بکر کا قول ہے کہ

’’جس قوم نے جہاد چھوڑ دیا وہ عذاب میں پھنس گئی‘‘۔

(طبرانی)

[1] - Ibid p.31

مسوپوتامیہ کے شہروں کے عیسائیوں کے ساتھ علاوہ دیگر شرائط کے یہ شرطیں تھیں کہ وہ نئے گرجے اور عبادت خانے تعمیر نہیں کریں گے۔ گرجاگھروں کے گھنٹے نہیں بجائیں گے۔ عید قیامت کے بعد سوموار کے تہوار کو علانیہ نہیں منائیں گے اور نہ صلیب کو علانیہ دکھائیں گے[1]۔ بنو تغلب کے عیسایئوں کے ساتھ یہ شرط کی گئی کہ وہ اپنے بچوں کو بپتسمہ دلوا کر مسیحیت کے دائرہ میں داخل نہیں کریں گے[2]۔ حضرت عمر بن خطاب نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اہل کتاب کو عرب سے نکال دیا کیونکہ انہوں نے سنا تھا کہ رسول اللہ نے کہا ہے کہ عرب میں دو مذاہب یکجا نہیں رہ سکتے۔ اگرچہ نجران کے مسیحیوں کے ساتھ حضرت محمد صاحب نے عہد کیا تھا تاہم حضرت عمر نے ان کو عرب سے بدر کر دیا[3]۔ خلفاء نے نہ صرف نئے گرجاگھروں کو تعمیر نہ ہونے دیا۔ بلکہ انہوں نے ان گرجاؤں کو جو موجود تھے مسجدوں میں تبدیل کر دیا اور بے شمار گرجاگھروں کو شہید کر دیا۔ چنانچہ خلیفہ حاکم نے چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) گرجاؤں اور خانقاہوں کو مسمار کر دیا[4]۔

"خلیفہ عمر ثانی نے تو یہاں تک حکم دے دیا کہ عیسائی ریشمی لباس زیب تن نہ کریں۔ اپنی پیشانی پر سے بال کٹوائیں۔ سڑک کے ایک کنارے ہو کر چلا کریں۔ خلیفہ متوکل نے تمام عیسائیوں کو گلوبند باندھنے کا حکم دیا"

(تاریخ الخلفا صفحہ ۲۳۳)

یہ بھی حکم دیا کہ ان کی سواری کی کاٹھی لکڑی کی ہو۔ ان کے عبادت خانے مسمار کر دئے جائیں۔ ان کے گھروں میں سے دس (۱۰) فیصدی مسمار کر دئے جائیں اور ان کی جگہ ایک مسجد تعمیر کر دی جائے۔ ان کے گھروں کی چوکھٹوں پر شیاطین کی صورتیں لکڑی کی بنا کر لٹکائی جائیں۔ اُن کو کوئی سرکاری عہدہ نہ دیا جائے جس سے وہ مسلمانوں پر حکم چلا سکیں۔ ان کے لڑکے اسلامی درس گاہوں میں داخل نہ کئے جائیں اور نہ کوئی مسلمان کسی عیسائی لڑکے کو پڑھائے۔ کھجور والے اتوار کے روز صلیب کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ عیسائیوں کی قبریں کھود کر زمین کے ساتھ ہموار کی جائیں تاکہ وہ مسلمانوں کی قبروں کے مشابہ نہ ہوں۔ حکم ہوا کہ اسلامی عدالتوں میں کسی عیسائی کی گواہی قبول نہ کی جائے۔ شاید ناظرین یہ خیال کریں کہ ہم نے خلفاء میں سے ایسے لوگوں کے کارنامے بتلائے ہیں جو بدنام کنندہ نکومانے چند تھے بلکہ ہم نے صرف ان خلفاء کی نسبت لکھا ہے جو اسلامی نقطہ ٔ نگاہ سے قابل قدر ہستیاں ہیں۔ ہلاکوں خاں کے مسلمان جانشینوں نے گرجاؤں کو شہید کر دیا۔ پادریوں کو طرح طرح کے عذاب دے کر قتل کر دیا۔ خانقاہوں کو برباد کر دیا۔ ہزاروں عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا۔ عیسائیوں کو حکم دیا کہ مسلمان ہو جائیں۔ خربندہ خان نے ان عیسائیوں کے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے اعضائے تناسل کو کاٹ دیا ان کی آنکھیں نکلوا دیں۔ تیمور لنگ کے زمانہ میں ایذا رسانی کا یہ حال تھا کہ عیسائی خال خال (بہت کم) نظر آتے تھے۔ بغداد، موصل وغیرہ شہر جن میں ہزاروں عیسائی آباد تھے ان سے یکسر خالی ہو گئے۔ مصر میں بھی عیسائیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ مملوک سلطان الناصر محمد نے گرجاؤں کو شہید کر دیا اور شاہی فرمان جاری کر دیا کہ جو عیسائی جہاں ملے قتل کر دیا جائے اور اس کا مال و اسباب چھین لیا جائے[5]۔

---

1 - Ibid p.32
2 - Ibid p.33
3 - Ibid p.34-35
4 - Ibid p.60
5 - Ibid Chap:2

ہم چند ممالک کی مثالوں سے واضح کرتے ہیں[1] کہ تلوار کا اسلام کی اشاعت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔عبداللہ بن قیس نے ۶۷۴ء میں کریٹ (Crete) پر حملہ کیا اور اس کے بعد ۸۲۵ء تک اسلامی افواج گاہے گاہے (کبھی کبھار) لوٹ مار کرتی تھیں لیکن اس سال انہوں نے جزیرہ کو فتح کر لیا اور باشندوں کو مسلمان بنالیا۔ ۹۲۱ء میں عیسائیوں نے اس جزیرہ کو فتح کیا اور اس کے بعد کی سات (۷) صدیوں تک وہاں کے باشندے عیسائی رہے۔ ۱۶۴۵ء میں ترکوں نے اس کو دوبارہ فتح کر لیا اور باشندوں کو مسلمان بنالیا۔ ۱۹۲۰ء میں یہ جزیرہ یونان کے قبضہ میں آگیا اور اب اس جزیرہ کی ایک بڑی اکثریت عیسائیوں کی ہے۔اسی طرح جزیرہ کپرس (Cyprus) پر مسلمانوں نے ۶۴۷ء سے ۹۶۶ء تک حملے کر کے فتح کر لیا اور باشندوں کو مسلمان بنالیا۔ ۱۸۷۸ء میں سلطان عبدالحمید ثانی نے یہ جزیرہ انگلستان کے سپرد کر دیا اور اب اس جزیرہ میں مسلمانوں کی تعداد قلیل ہے۔اسی طرح سسلی میں مصر کے مسلمان نے ۶۵۲ء سے پے درپے حملے کئے اور ۹۶۲ء میں اس پر قابض ہوئے اور تمام باشندوں کو مسلمان بنالیا۔جب ۱۰۶۰ء میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اس کے باشندوں نے پھر اپنا آبائی مذہب اختیار کر لیا۔یہی حال ہسپانیہ کا ہوا۔جب وہ خلفاء کے زیر نگین (ماتحت) تھا تو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، لیکن جب ۱۶۱۰ء میں مسلمان فاتحین وہاں سے نکال دیئے گئے تو وہاں کے باشندوں نے اپنا قدیم مذہب پھر اختیار کر لیا اور اب وہاں مسلمانوں کا نام ونشان بھی نظر نہیں آتا۔

(۹)

جو اِصحاب اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ اسلام نے دنیا میں اخوت ومساوات کا رشتہ قائم اور مضبوط کر دیا ہے ہم ان کی توجہ سید مقبول احمد صاحب بی۔اے کی کتاب "فلسفہ مذہب" کی طرف مبذول کرتے ہیں۔سید صاحب لکھتے ہیں کہ

> "ایک عام غلط فہمی کا ازالہ کہ اسلامی اخوت دنیا کے لئے باعثِ امن ہے ضروری ہے۔اس میں شک نہیں کہ اسلام نے خود اپنی جداگانہ قومیت دنیا میں بنالی ہے جس کے صرف یہ معنی ہیں کہ قوموں کے شمار میں ایک عجیب معجون مرکب قوم کا اضافہ ہو گیا ہے۔جس کا تعلق دوسری غیر مسلم قوموں سے بالکل اسی طرح ہے جس طرح دوسری مخالف اور مختلف قوموں میں۔اس لئے جب تک وہ خیر القرون (اسلام کا ابتدائی دور) جس کی امید صرف ظہور امام مہدی کے وقت کی جاسکتی ہے یعنی جب تک دنیا میں صرف ایک مذہب اسلام پھیل جائے گا اور تمام مذاہب مفقود (غائب) یا اسلام میں جذب ہو جائیں گے ہم سے دور ہے اس وقت تک اسلام کے وجود سے دنیا کے امن میں کسی اضافہ کی امید رکھنا عبث ہے۔۔۔۔۔اسلام نے بجائے اس کے کہ قومیت کی لعنت کو کم کرے ایک اور قوم کا اضافہ کر کے ان کو بڑھادیا ہے۔نہ صرف یہ بلکہ وہ افتراق (جدائی،اختلاف) جو ایک قوم میں پہلے سے نہ تھا اور نہ ہونا چاہیئے اس قوم میں اسلام پھیلنے پر پیدا ہو گیا۔یعنی وہ ایک قوم دو قوموں میں جلد تقسیم ہو جاتی ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ وہی معاشرت رکھتے ہیں جو متضاد قوموں میں ہوتی ہے۔۔۔۔خود ہمارے ملک کو دیکھو مسلمانانِ ہند کو اپنی قوم ہند کی ترقی سے کوئی سروکار نہیں۔وہ بحیثیت مجموعی ایک جداگانہ قوم ہے جن کی زبان جدا،

---

[1] - Sociology of Islam,vol by Reuben Levy,Lecturer in Persian in Cambrige

معاشرت جدا، روایات جدا، وہ اپنے ملکی لٹریچر (ادب) سے نابلد (ناواقف)، ہندوستان کی ہی ترقی سے متنفر (نفرت کرنے والا)، اپنے ملکی آباواجداد کی اولاد ہونے سے عار (عیب، شرم)، اپنے سرزمین کے آثار عظیم سے بے خبر و معرا اور ان کو اگر لے دے کر کچھ دیا ہے تو ہارون رشید اور تیمور کی داستان یاد ہے۔ اگر ان کو کسی کے انتساب سے فخر ہے تو وہ عرب و عجم ہے"۔

(رسالہ نگار مئی ۱۹۲۸ء)

فصل چہارم

اصولِ مساوات

(۱)

ہم نے اپنے رسالہ ''مسیحیت کی عالمگیری'' کے بابِ دوم کی فصل اوّل میں یہ ثابت کردیا ہے کہ انجیل جلیل کا ایک ایک ورق مساوات کے سنہرے اصول سے مزین (آراستہ) ہے۔ انجیل کے عالمگیر اصولِ محبت اخوت و مساوات سے کوئی شخص یا طبقہ مستثنیٰ (الگ) نہیں کیا گیا۔ انجیلی اصول مساوات نے ہر طرح کی تفریق اور درجہ بندی کو مٹادیا۔ غلام اور آزاد، غریب اور دولتمند، اعلیٰ اور ادنی، عالم اور جاہل، مرد اور عورت کا امتیاز غرض یہ کہ ہر قسم کے امتیازات اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ (متی ۵ باب، ۷ باب، ۱۸ باب، ۲۲ باب، ۲۵ باب، مرقس ۱۲ باب، لوقا ٦ باب، ۱۰ باب، یوحنا ۱۳ باب ،۱۵ باب، رومیوں ۲ باب، ۵ باب، ٦ باب، ۸ باب، ۱۲ باب، ۱۳ باب، ۱۔ کرنتھیوں ۱ باب، ۱۳ باب، ۲۔ کرنتھیوں ۵ باب، ٦ باب، افسیوں ۴ باب، ۵ باب ، گلتیوں ۴ باب، ۵ باب، کلسیوں ۳ باب، ۱۔ یوحنا ۲ باب، ۳ باب، ۴ باب وغیرہ وغیرہ)۔

(۲)

غلامی اور اصول مساوات

لیکن اسلام میں مساوات کے اصول نہیں ملتے۔ غلامی اور درجہ بندی اصول مساوات کے منافی ہیں۔ اسلام میں رسول عربی نے غلامی کی قبیح رسم کو قدیم عرب سے لیا۔ گو قرآن نے حکم دیا کہ غلاموں سے سختی نہ کی جائے۔ (نساء آیت ۴۰) اور آپ نے ان کو آزاد کرنا کارِ ثواب قرار دے دیا لیکن قرآن وحدیث میں ہم کو کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس سے ظاہر ہو کہ ان کا منشایہ ہے کہ غلامی کی رسم صفحہ ہستی سے نابود ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح زمانہ جاہلیت میں دستور تھا اسلام میں بھی غلام خریدے اور تحفہ کے طور پر دے جاسکتے ہیں اور ورثہ میں مل سکتے ہیں۔ ہاں آزاد مسلمان غلام نہیں بنایا جاسکتا۔ لیکن کافر جو جنگ میں ہاتھ آجائیں وہ غلام کئے جاسکتے ہیں۔ شریعت اسلامی کے مطابق غلام جائداد کے طور پر شمار کئے جاتے ہیں اور ان کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے۔ ان کا درجہ گھر کے دیگر حیوانوں کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ مالک اپنے غلاموں اور باندیوں (باندی کی جمع، لونڈی) کو فروخت کرسکتا ہے۔ ان کو رہن کرسکتا ہے۔ ان سے کام کراکے اجرت وصول کرسکتا ہے اور دیگر ذریعہ سے ان کی آمدنی حاصل کرسکتا ہے۔ غلام کسی شے کا مالک نہیں۔ وہ جائداد کا وارث نہیں۔ غلام اور باندی کا درجہ جسمانی اور اخلاقی طور سے دیگر انسانوں سے کم ہے۔ عدالت میں اس کی شہادت قابل قبول نہیں۔ اگر کوئی آزاد مسلمان کسی غلام کو قتل کردے تو وہ بازار کے نرخ کے مطابق مقتول غلام کی قیمت ادا کردے۔ حنفی اور شافعی مذاہب کے مطابق غلام

دوسے زیادہ نکاح نہیں کر سکتا خواہ وہ آزاد بھی کیا گیا ہو۔ اگر غلام شادی کرنا چاہے تو وہ مالک کو رضامند ہونے پر مجبور نہیں کر سکتا[1]۔ غلامی کی قبیح رسم تمام اسلامی ممالک میں مروج رہی ہے یا موجود ہے۔ آج کے روز سعودی عرب کے قطعہ میں جو خالص اسلامی ملک ہے۔ غلامی کی رسم قانونی طور پر نافذ ہے[2]۔

(۳)

درجہ بندی اور اصولِ مساوات

اگرچہ قرآن کی نظر میں سب مسلمان برابر ہیں اور لکھا ہے کہ

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

"تم میں سب سے زیادہ بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے"۔

(حجرات آیت ۱۴۰)

تاہم ابتدا ہی سے اسلامی سوسائٹی میں اس اصول کو نظر انداز کر دیا گیا اور درجہ بندی موجود ہو گئی۔ رسول عربی کی دنیاوی ترقی اور کامیابی کا یہ نتیجہ ہوا کہ نسل کے فخر کا خاتمہ ہونے کی بجائے قریش کے قبائل کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور اس قبیلہ کا شخص دیگر تمام قبائل کے شرفاء سے زیادہ شریف النسب خیال کیا جاتا تھا۔ جب اسلام غیر عرب ممالک میں پھیلا تو عرب اپنے آپ کو غیر عرب سے برتر خیال کرنے لگے۔ رسول عربی کی وفات کے تین (۳) صدیاں بعد موالی (مولیٰ کی جمع غلام، نوکر) کی جماعت باقاعدہ قائم ہو گئی اور لوگ اپنے ناموں کو ترک کر کے عربی نام رکھنے لگ گئے اور اپنے لئے عربی نسب نامے وضع کر کے عرب کہلانے لگے۔ اس درجہ بندی کے سوال نے شادی بیاہ کے معاملات میں اہم صورت اختیار کر لی۔ حضرت محمد کی وفات کے ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال تک کسی موالی کو یہ جرات نہ تھی کہ کسی خالص عربی نژاد (نسل) لڑکی سے بیاہ کی درخواست کرے۔ حنفی مذہب عرب اور غیر عرب میں مساوات کے اصول کا قائل نہیں[3]۔ شافعی مذہب کا بھی یہی وطیرہ ہے۔ مہاجرین اور انصار کے خاندانوں کی نسلیں اور بنو ہاشم کے خاندان (جو آنحضرت کے قریبی رشتہ دار تھے) کی نسلیں اپنے آپ کو دیگر قبائل سے بلند و بالا خیال کرتی تھیں۔ خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں ان کے اس دعویٰ کو بلا چون و چرا تسلیم کیا گیا حالانکہ وہ خلفاء کے وظیفہ خوار ہوتے تھے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ

گر نسب را جزملت کردہ   رخنہ در کارِ اخوت کردہ

---

[1] .Sociology of Islam ,vol .i

[2] - Manchester Guardian Weekly, May 31st .1935

[3] - Levy,Sociology of Islam. Vol.1

(۴)

طبقہ ءنسواں اور اصولِ مساوات

عورات (عورت کی جمع خواتین) کے متعلق قرآنی احکام مرد اور عورت کی مساوات کے اصول کے خلاف ہیں۔اور اسلامی ممالک میں عورتوں کی پست حالت کے ذمہ وار ہیں۔اسلام نے عورتوں کے لئے ایک خاص حد مقرر کر دی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتیں جس کا نتیجہ عورات کی جہالت توہم پرستی اور قوم کی تنزلی ہے کیونکہ قوم کی ترقی بیش تر اس کی عورات پر منحصر ہوتی ہے۔

قرآن میں عورتوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ پردہ کیا کریں (احزاب ۳۳، ۵۳، ۵۹ وغیرہ)۔اس حکم کے خلاف دورِ حاضرہ کے اسلامی ممالک کے مسلمان بغاوت کرتے ہیں۔مثلاً اخبار الجریدہ میں ایک مسلمان توفیق دائب کہتا ہے

"کیا تم پردہ کے اس لئے حامی ہو کہ قرآن میں اس کا حکم ہے۔اگر یہ بات ہے تو تم کیوں ایک حکم کو مانتے ہو اور دوسروں کو طاق نسیان پر رکھ دیتے ہو۔تم کیوں شرابی اور بے نمازی کو دُرّے نہیں لگاتے۔تم چور کے ہاتھ کیوں نہیں کاٹتے اور زناکاروں کو سنگسار کیوں نہیں کرتے"۔

مصری عالم منصور فہمی پردے کے خلاف ایک مدلّل مقالہ لکھ کر کہتا ہے کہ

"پردہ کی رسم رسول اللہ کے زمانہ سے پہلے رائج نہ تھی"۔

صوبہ مدراس کے مجسٹریٹ مسٹر محی الدین صاحب کہتے ہیں

"ہم کو اس بات کا فخر ہے کہ قرآن میں عورتوں کا درجہ دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اعلیٰ اور بالا ہے۔اگر یہ درست ہے تو ہم کیوں ان کو جانوروں کی طرح پنجروں میں بند رکھتے ہیں۔ہم اپنی تعداد کے نصف حصہ کو قید کرکے رکھتے ہیں اور پھر اپنی قسمت پر روتے ہیں"۔

کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ مسز حسین صاحبہ نے بنگال ویمن ایجوکیشنل کانفرنس میں ان اسلامی پابندیوں کا ذکر کرکے مسلمانوں کی غفلت شعاری لاپرواہی اور مایوس کن سلوک پر اظہار افسوس کیا۔اس خاتون نے پردہ کو زہریلی گیس کے نام سے موسوم کیا اور کہا

"ہماری بہنیں پردہ کے اندر پردہ گیس سے مر رہی ہیں۔اسلام نے دخترکشی کا خاتمہ کیا تھا لیکن یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ عورتوں کے دل اور دماغ کو مارا جارہا ہے"۔

ہندوستان میں پردے کے خلاف ہر طرف سے صدائے احتجاج اس قدر بلند ہو رہی ہے کہ مرحوم شبلی لکھتے ہیں

"یورپ کے عامیانہ تقلید نے ملک میں جو نئے مباحث پیدا کر دئے ہیں ان میں ایک پردہ کا مسئلہ بھی ہے۔دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خود مذہب اسلام میں پردہ کا حکم نہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ قرونِ اولیٰ میں پردہ کا رواج نہ

تھا۔۔۔۔اس موقعہ پر عبرت کے قابل یہ امر ہے کہ اسلام کی تاریخ اور اسلام کی تعبیر کرنے والے دو گروہ ہو سکتے تھے۔ علمائے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ۔ علماء کا یہ حال ہے کہ ان کو زمانہ کی موجودہ زبان میں بولنا نہیں آتا۔ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے مبلغ علم کا نئے تعلیم یافتہ گروہ کے سب سے مشہور اور مستند مصنف مولوی امیر علی کی اس عبارت سے اندازہ ہو سکتا ہے جو ابھی اوپر گذر چکی۔ لیکن بد قسمتی سے یہی دوسرا گروہ قومی لٹریچر پر قبضہ کرتا جاتا ہے اور چونکہ غیر قوموں کے کانوں میں صرف اسی گروہ کی آواز پہنچتی ہے اس لئے مسائل اور تاریخ اسلام کے متعلق آیندہ زمانہ میں اسی گروہ کی آواز اسلام کی آواز سمجھی جائے گی"۔

(مقالات شبلی صفحہ ۱۰۵)

(۵)

ایامِ جاہلیت میں عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ (شرم ناک) تھی۔ اسلام نے اس حالت کو کسی قدر بہتر بنادیا۔ لیکن ہم کو ایامِ جاہلیت اور اسلام کا موازنہ اور مقابلہ کرنا مقصود نہیں بلکہ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آیا اسلام میں طبقہ نسواں کی حیثیت ایسی ہے کہ وہ بمقابلہ مسیحیت ایک عالمگیر مذہب ہونے کی صلاحیت رکھ سکے؟ ایامِ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ بیاہ کے لئے عورتیں خریدی جاتی تھیں [1]۔ زرمہر دلہن کو دیا جاتا تھا اور عورت شوہر کا مال متصور ہوتی تھی۔ اسلام میں یہ قانون بحال رکھا گیا۔ چنانچہ قرآن میں وارد ہے کہ

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً

"عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو"۔

(نساء آیت ۴)

اس زرمہر کو ادا کرنے کی وجہ سے عورتیں آدمیوں کی نسبت کم درجہ خیال کی جاتی ہیں چنانچہ قرآن میں ہے کہ

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت بخشی ہے اور اس لئے بھی کہ مردوں نے عورتوں پر اپنا مال (زرمہر اور نان ونفقہ) خرچ کیا ہے۔ پس نیک بخت عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت کرتی ہیں" الخ دیکھو ترجمہ نذیر احمد۔

[1] Sociology of Islam.vol.1

(نساء آیت ۳۴)

اس آیت پر ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب اپنی تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں

"ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو دوسرے شخص کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کے لئے یہ حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔اسلام میں سجدہ کرنا انتہادرجہ کی ذلت اور دوسرے کی اعلیٰ درجہ کی عظمت ظاہر کرنا ہے اور اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں سے اس کے آگے جھک جانا ہوتا ہے تو گویا اس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ عورت پر اس درجہ کی تابعداری اور خدمت گذاری اپنے خاوند کے لئے واجب ہے جو دوسرے کسی شخص کے لئے واجب نہیں"۔

(صفحہ ۳۶۷)

پس قرآن کے مطابق عورتیں پست درجہ کی ہیں چنانچہ صاف لکھا ہے کہ

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ

"مردوں کا عورتوں کے اوپر درجہ ہے"۔

(بقر آیت ۲۲۸)

بت پرستی کے خلاف قرآن یہ دلیل لاتا ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى

"بھلا تم دیکھو تو لات وعزیٰ اور منات اور تیسری دیوی منات۔یہ تو بے انصافی کی تقسیم ہے کہ تمہارے لئے لڑکے ہوں اور اللہ کے لئے لڑکیاں ہوں"۔

(سورہ نجم آیت ۱۹۔۲۱)

اس دلیل کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ نے لڑکوں کو لڑکیوں پر فضیلت بخشی ہے۔لڑکیاں کم درجہ کی ہیں تم اللہ کے لئے لڑکیاں اور اپنے لئے لڑکے تجویز کرتے ہو۔یہ بڑی بے انصافی ہے۔پھر لکھا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى

"جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے نام رکھتے ہیں"۔

(نجم آیت ۲۷)

ورثہ کے معاملہ میں "مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے" (نساء آیت ۱۱)۔

شہادت کے معاملہ میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے (بقر آیت ۲۸۲)۔

قرآن میں کہیں ان شرائط کا ذکر نہیں جن کے ماتحت مرد عورت کو طلاق دے جس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کو اختیار کُلّی حاصل ہے کہ عورت کو معقول اور نامعقول وجوہ (وجہ کی جمع) کی بنا پر طلاق دے دے۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

"اور اگر طلاق کا ارادہ کرلیں تو بھی خدا سنتا (اور) جانتا ہے"۔

(سورہ بقر آیت ۲۲۷)

لیکن کسی عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنے شوہر کو معقول بنا پر بھی طلاق دے سکے۔

قرآن شوہر کو اجازت دیتا ہے کہ اپنی بیوی کو مارے پیٹے۔ چنانچہ لکھا ہے

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا (۳۴)

"جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بدد ماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کی خواب گاہوں میں اکیلے چھوڑ دو اور ان کو پیٹو" الخ۔ (نساء آیت ۳۴)

لیکن اگر عورتیں اپنے مردوں کی بدخوئی سے لرزاں اور ترساں ہوں تو وہ غریب کچھ نہیں کر سکتیں۔

زنا کی سزا یہ ثابت کرتی ہے[1] کہ منکوحہ عورت اپنے خاوند کا مال ہے۔ چنانچہ اگر کوئی منکوحہ عورت زناکاری کی مرتکب ہو تو زانی اور زانیہ کی سزا سنگساری ہے لیکن اگر عورت نے بیاہ نہ کیا ہو تو اس کی سزا سو دُرّے ہیں۔ اس تمیز کی وجہ یہ ہے کہ منکوحہ عورت اپنے خاوند کا مال شمار کی جاتی ہے لیکن کنواری عورت کسی کا مال نہیں ہوتی۔

عورتیں نہ صرف مردوں سے کم درجہ رکھتی ہیں بلکہ وہ مردوں کی آلہ شہوت ہیں۔ چنانچہ قران میں ہے کہ

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

"تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں سو تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ"۔

(بقر آیت ۲۲۳)

---

[1] Sociology of Islam,vol.1

ایام جاہلیت میں بیاہ کا ایک دستور [1] یہ تھا کہ مہر دے کر بیاہ لینے کی بجائے متعہ (شیعہ مذہب میں کچھ مدت کے لیے عورت سے نکاح کر لینا) کر لیتے تھے۔اس کا مقصد خاندان کا قیام اور بچوں کی پیدائش اور پرورش نہ تھی۔ بلکہ یہ تھا کہ جب آدمی اپنے گھر سے باہر جنگ کے لئے یا کسی اور مطلب کے لئے جائے تو کسی عورت کے وسیلے مقرری ایام کے لئے اپنی نفسانی خواہشات کی آگ کو فرو کر (بُجھانا) لے اور ایسا نکاح مرد اور عورت دونوں کی رضامندی پر موقوف ہوتا تھا اور اس میں کسی درمیانی یا ولی یا عورت کے کسی رشتہ دار کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ مقررہ ایام کے بعد اجرت پانے پر عورت کا مرد سے کسی قسم کا تعلق نہ رہتا۔اس قسم کا بیاہ قرآن میں بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

"وہ سب عورتیں تم کو حلال ہیں جن کو تم مال دے کر طلب کرو۔ان عورتوں میں سے جس سے تم نے خط اٹھایا ہے ان کی مقررہ اجرت دے دو"۔(نساء آیت ۲۳)

ضربت حیدریہ میں قاطع دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ آیت متعہ پر نص (قرآن پاک کی وہ آئتیں جو صاف اور صریح ہوں) ہے۔اس قسم کے نکاح اور زناکاری میں اتنا کم فرق ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے اس نکاح کو حرام قرار دے دیا تھا۔ لیکن جس طرح تفسیر ثعلبی میں منقول ہے کہ

"عمران بن حصین کہتا ہے کہ آیت متعہ کتاب اللہ میں نازل ہوئی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی دوسری آیت نازل نہیں ہوئی جس نے اس آیت کو منسوخ کیا ہو"۔

پس قرآن میں متعہ کی ممانعت کا ذکر نہیں۔ لیکن متعہ کی اجازت کا ذکر ہے۔اگر قرآن میں متعہ کی نسبت صریح آیت وارد نہ ہوتی تو عبداللہ بن مسعود سا قرآن دان متعہ پر کیوں کر اصرار کر سکتا تھا؟ اگر آنحضرت نے اپنی حینِ حیات میں متعہ کو حرام کیا ہوتا تو خلیفہ اول کے عہد میں وہ کس طرح حلال ہو گیا؟ خلیفہ عمر نے اپنی خلافت کے نصف میں متعہ کو بند کیا۔ خلیفہ ماموں نے متعہ کو دوبارہ جاری کیا لیکن چونکہ رائے عامہ اس قسم کے نکاح کے خلاف تھی اس نے اپنے حکم کو واپس لے لیا۔اہل سنت متعہ کو حرام قرار دیتے ہیں لیکن اس کو حرام ٹھہرانا قرآن اور تاریخ کا انکار کرنا ہے۔

(٦)

قرآن نے عورات کی حیثیت کو یہاں تک پست کر دیا ہے کہ بہشت میں بھی ان جسمانی جذبات کو روا رکھا ہے جو اس دنیا میں مردود اور مطعون (بدنام) شمار کئے جاتے ہیں۔اہل جنت کو وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ "ستھری عورتیں" ملیں گی (بقر آیت ۲۳۔آل عمران آیت ۱۳۔نساء آیت ٦٠)

كَذٰلِكَ ۣ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (۵۴)

[1] Ibid vol.1

وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (٢٠)

وَ حُوْرٌ عِيْنٌ (٢٢)

"گورے رنگ کی بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں جیسے چھپے ہوئے موتی"۔

(دخان آیت ۵۴، طور آیت ۲۰، واقعہ آیت ۲۲)

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ (٧٢) لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ (٧٤) مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ (٧٦)

"وہ خیموں میں رُکی بیٹھی ہیں اور ان سے پہلے کوئی آدمی اور جن ان سے ہم بستر نہیں ہوا۔ سبز چاندیوں اور قیمتی قالینوں پر تکیہ لگائے بیٹھی ہیں"۔ (رحمٰن آیت ۷۲، ۷۴، ۷۶)

وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ (٤٨) كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ (٤٩)

"وہ فراخ چشم والی نیچی نگاہ والی ہم عمر عورتیں ہوں گی گویا وہ چھپے ہوئے انڈے ہیں"۔

(صافات آیت ۴۸۔۴۹)

وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ (٣٤) اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً (٣٥) فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (٣٦) عُرُبًا اَتْرَابًا (٣٧)

"ان عورتوں کو ہم نے (خدانے) ایک اٹھان پر اٹھایا ہے۔ پھر ہم نے ان کو کنواریاں بنایا۔ شوہروں کی پیاری ہم عمر بنایا"۔

(واقعہ آیت ۳۴۔۳۷)

اس جنت میں ان حوروں کے علاوہ غلمان بھی موجود ہیں۔

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ (٢٤)

"آس پاس جوان لڑکے پھرتے ہیں گویا وہ چھپے ہوئے موتی ہیں"

(طور آیت ۲۴، واقعہ آیت ۱۷)

اس بہشت میں پانی، دودھ، شہد اور شراب کی نہریں بہتی ہیں (محمد آیت ۱۵)۔ وہاں تخت پیالے چاندنیاں، قالین فرش وغیرہ سب مہیا ہیں (حجر آیت ۴۷، واقعہ آیت ۱۵، ۳۴؛ دہر ۱۲تا۲۲؛ غاشیہ آیت ۱۰۔۱۶)۔ وہاں میوے اور پھل ہیں (بقر آیت ۲۵؛ یسٰین آیت ۵۷۔ صافات آیت ۴۲ وغیرہ)۔ خوشے لٹکتے ہیں (رحمٰن آیت ۴۸ وغیرہ)۔ وہاں سفید شراب اور انواع واقسام کے شربتوں کے پیالوں کا دور چلے گا۔ (صافات آیت ۴۲۔۴۶ طور آیت ۲۰۔۲۳؛ واقعہ آیت ۱۸۔۲۰)۔ اہلِ جنت کو سونے چاندی کے کنگن۔ ریشمی لباس اور موتی پہنائے جائیں گے (کہف آیت ۲۰؛ حج آیت ۲۳؛ فاطر

آیت ۳۳؛دخان آیت ۵۳)۔ان کو پرندوں کا گوشت جس قسم کا وہ چاہیں گے ملے گا۔(طور آیت ۲۲؛واقعہ آیت ۲۱)غرض یہ کہ قرآن کے مطابق بہشت ایک عشرت کدہ(عیش و عشرت کرنے کا مقام)ہے جس میں ہر قسم کی نفسانی خواہشات پوری کی جاتی ہیں۔

چہار چیز کہ غم مے برد کدام چہار؟

شراب وسبز وآبِ رواں وروئے نگار

قرآنی بہشت میں یہ سب اور بہت سی دوسری عیش و عشرت کی چیزیں موجود ہیں۔اس کی وجہ مولانا نیاز فتح پوری یہ بتاتے ہیں کہ

"عرب کے لوگ عورت، شہد، دودھ، سونا، چاندی، جواہرات وغیرہ پر جان دیتے تھے۔ان کے نزدیک ان اشیاء سے زیادہ کوئی چیز محبوب تھی ہی نہیں اس لئے اگر ان کی ترغیب کے لئے صرف یہ کہہ دیا جاتا کہ اچھے کاموں کا بدلہ ایک روحانی مسرت کی صورت میں پایا جائے گا تو وہ بالکل اس کو نہ سمجھتے اور کبھی اچھے کاموں کی طرف مائل نہ ہوتے۔کلام مجید نے بھی عموماً وہی اندازِ بیان اختیار کیا جس کو لوگ سمجھ سکتے تھے"۔

(رسالہ نگار بابت جولائی ۱۹۲۸ء)

لیکن عالمگیر مذہب کا یہ کام نہیں ہے کہ لوگوں کے بے لگام ارادوں کو الہام کی صورت میں دلفریب الفاظ میں ادا کرے بلکہ اس کا یہ فرض ہے کہ لوگوں کے خیالات تصورات جذبات اور افعال کو سدھارے اور ان کی قوتِ متخیلہ (سوچنے کی قوت) کو صراط مستقیم کی طرف چلائے۔جنت کی قرآنی تصویر یہ بات ثابت کرتی ہے کہ اسلام صرف اہل عرب کے لئے تھا اور اس میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت ہی نہیں۔

(۷)

عالمگیر مذہب مرد اور عورت دونوں کے حقوق کی یکساں حفاظت کرتا ہے اور صنف نازک (عورتوں کا طبقہ) کی صحیح قدر و منزلت کرتا ہے۔اس امر میں قرآن اور اسلام کی تعلیم مسیحیت کے مقابلہ میں قاصر رہتی ہے۔ہم نے اپنی کتاب "دین فطرت۔اسلام یا مسیحیت؟" کی فصل سوم وچہارم میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ اقوام کی شائستگی اور تہذیب کا معیار ازدواج کے قوانین اور قواعد ہیں جن اقوام میں وحدتِ ازدواج ہے اور میں اس رشتہ کے قیام وبقاپر زور دیا جاتا ہے وہ اقوام شاہراہِ ترقی پر گامزن ہوتی ہیں۔ لیکن جن اقوام میں کثرت ازدواج مروج ہے اور طلاق کی اجازت ہے ان میں زوال پیدا ہو جاتا ہے۔اس بات سے کوئی صحیح العقل شخص انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن نے کثرت ازدواجی کی اجازت دے رکھی ہے۔چنانچہ (سورہ نساء) میں ہے

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى فَانْكِحُوۡا مَا طَابَ لَـكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ذٰ لِكَ اَدۡنٰۤى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا (۳)

"عورتوں میں سے جو تم کو پسند آئیں دو دو تین تین چار چار نکاح میں لاؤ اور اگر یہ خوف ہو کہ عدل قائم نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا وہ (باندیاں) جو تمہارے ہاتھوں کا مال ہوں"۔(نساء آیت ۳)

ان چار نکاحوں کے علاوہ ایک مسلمان لاتعداد لونڈیاں اور باندیاں رکھ سکتا ہے جس طرح اوپر کی آیت میں مذکور ہے پھر لکھا ہے کہ

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَ بَنٰتِ خَالِكَ وَ بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ٘ وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۭ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۵۰)

"اے نبی ہم نے تیرے لئے تیری عورتیں حلال کر دیں جن کا مہر تو دے چکا ہے اور وہ (لونڈیاں) جو تیرے ہاتھ کا مال ہے۔ جو خدا نے تیرے ہاتھ لگوا دیا ہے" الخ۔ (احزاب آیت ۵۰)

اہل اسلام کو اجازت ہے کہ وہ اپنی باندیوں کے سامنے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت نہ کریں۔ چنانچہ قرآن میں لکھا ہے "وہ جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال پر۔ سو ان پر الزام نہیں"۔ اگر شادی شدہ عورات "تمہارے ہاتھ کی ملکیت ہو جائیں"۔ (نساء آیت ۲۸)۔ تو وہ بھی حرم میں داخل ہو سکتی ہیں۔ ان لونڈیوں اور باندیوں کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ اگر کسی مرد مسلمان کے ہاتھ ایک ہزار لونڈیاں لگ جائیں تو وہ ان کو اپنی مدخولہ (وہ عورت جسے گھر میں ڈال لیا ہو۔ وہ عورت جس سے صحبت کی گئی ہو) بنا کر اور اپنی چار بیویوں پر اضافہ کر کے قرآن سے باہر نہیں جاتا۔ دنیائے اسلام میں اسی وجہ سے بیشمار طلاق دئے جاتے ہیں۔ اور اسکے مقتدیوں اور پیشواؤں نے یہی دستور العمل اپنے پیش نظر رکھا۔ چنانچہ تاریخ الخلفا مصنفہ علامہ جلال الدین سیوطی میں لکھا ہے کہ

> "ابن سعد نے علی بن حسین سے روایت کی کہ امام حسن عورتوں کو طلاق بہت دیا کرتے تھے۔ سوا اس کے جن کو آپ سے محبت ہو جاتی۔ آپ نے نوے (۹۰) عورتوں سے نکاح کئے تھے۔۔۔۔ چونکہ حضرت حسن عام طور پر نکاح کر کے طلاق دے دیا کرتے تھے اس لئے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں قبائل میں عداوت نہ پڑ جائے۔ اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو اہل کوفہ سے کہنا پڑا کہ تم میرے بیٹے حسن کو لڑکیاں نہ دو۔ وہ طلاق بہت دیا کرتے تھے۔۔۔۔ ابن سعد نے عبداللہ بن سعد سے روایت کی ہے کہ حضرت حسن زیادہ نکاح کرنے والے خیال کے آدمی تھے اور ہمیں بوقت نکاح بہت کم اتفاق موجودگی کا ہوا ہے اور بہت کم ایسی منکوحہ عورتیں آپ کی تھیں جن سے آپ کو محبت والفت تھی"

(صفحہ ۱۳۱)

"لیکن کثرت ازدواجی کے باوجود حضرت امام صاحب نے شریعت محمدیہ کا کبھی عدول نہ کیا اور ایک وقت میں چار (۴) سے زیادہ بیویاں نہ رکھیں۔ اسی طرح خلیفہ متوکل کی چار ہزار (۴۰۰۰) کنیزیں تھیں اور وہ ان میں سے ہر ایک سے فائدہ اٹھا چکا تھا" (تاریخ الخلفا صفحہ ۲۳۵)۔ کلکتہ کے ماڈرن ریویو بابت جنوری ۱۹۳۴ء میں لکھا ہے کہ

"شاہ ابن سعود نے تاحال ایک سو پچاس (۱۵۰) ازواج سے نکاح کیا ہے گو شرع اسلام کے مطابق چار سے زائد بیویاں بیک وقت نہیں کیں"۔

پس یہ کہنا عین حق ہے کہ قرآن واسلام کی رُو سے مرد کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جس قدر عورتیں اپنی حرم سرائے میں داخل کرنا چاہے کرلے۔ ان میں عدل وغیرہ کسی قسم کی حقیقی قید نہیں ہے۔

اخبار "ہمدرد" دہلی کے ایڈیٹر مرحوم مولانا محمد علی تھے۔ اس اخبار کی اشاعت ۱۰ اپریل ۱۹۲۵ء میں ایک صاحب "مکتوبِ فرنگ" کے زیر عنوان یوں رقمطراز ہیں۔

"ترکوں نے جس دن سے تعداد ازدواج کو قانونی پابندیوں سے روکا ہے مجھے ان کے مہذب متمدن اور ترقی یافتہ ہونے کا یقین ہو چلا ہے۔ کم از کم میں تو ذاتی طور پر یقین نہیں کرتا کہ اسلام نے پوری آزادی کے ساتھ تعداد ازدواج اس طرح جاری کیا ہو جس طرح اب ہندوستان کے علماء کرام اس کو اپنے اور دوسروں کے لئے جائز فرماتے ہیں۔ میں تو ذاتی طور پر اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہوں اور عملی طور پر خود ایڈیٹر ہمدرد بھی میرے عقائد سے دور نہیں ہیں صرف فرق یہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ موجودہ حالات میں تعداد ازدواج ایک جرم قبیح (نامناسب) ہے اور وہ کچھ کہتے نہیں ہنس کر خاموش ہو جاتے ہیں"۔

پس اس روشن خیال مسلمان کے مطابق قرآنی اجازت "موجودہ حالات" کے لئے موزوں نہیں اور "ایک جرمِ قبیح" ہے۔ لہذا بیسویں (۲۰) صدی کے روشن دماغ مسلمانوں کی خاطر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح تاویلیں کرکے کثرتِ ازدواجی کے بدنما دھبہ کو قرآن سے مٹا یا جائے۔

ہم نے ان تاویلات پر اپنی کتاب "دین فطرت۔ اسلام یا مسیحیت؟" کی فصل سوم وچہارم میں شرح اور بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرکے خود یہ فیصلہ کرلیں کہ آیا عورات کا جو درجہ قرآن واسلام میں ہے وہ اصولِ مساوات کے نقیض (اُلٹ، برعکس) ہے یا کہ نہیں۔

فصل پنجم

اصولِ عبادت

خدا کی عبادت کے اصول پر نظر کرو تو یہی نتیجہ مستنبط (چنا گیا) ہوتا ہے کہ مسیحیت عالمگیر مذہب ہے۔ اور اسلام قوم عرب کا مذہب ہے۔

آداب وطرزِ عبادت کی نسبت سیدنا عیسیٰ مسیح نے فرمایا ہے کہ "خدا روح ہے اور ضرور ہے کہ اس کے پرستار روح اور سچائی سے اس کی پرستش کریں" (یوحنا۴: ۲۴)۔ "ہماری رسائی باپ (پروردگار) کے پاس ایک ہی روح میں ہوتی ہے" (افسیوں ۲: ۱۸)۔ "ہم ہیں جو خدا کی روح کی ہدایت سے عبادت کرتے ہیں" (فلپیوں ۳: ۳)۔ خداوند خدا سب سے جو اس کو پکارتے ہیں نزدیک ہے۔ ان سب سے جو سچائی سے اسے پکارتے ہیں" (زبور ۱۴۵: ۱۸)۔ پھر اوقاتِ عبادت کی نسبت انجیلی ہدایت ہے کہ "ہر وقت اور ہر طرح سے روح میں دعا اور منت کرتے رہو" (افسیوں ۶: ۱۸)۔ "دعا مانگنے میں مشغول اور شکر گزاری کے ساتھ اس میں بیدار رہو" (کلسیوں ۲: ۴)۔ "ہر وقت دعا مانگتے رہنا اور ہمت نہ ہارنی چاہیے (لوقا۱۸: ۱)۔ "ہر وقت جاگتے اور دعا مانگتے رہو" (لوقا۲۱: ۳۶)۔ "دعا مانگنے میں مشغول رہو" (رومیوں ۱۲: ۱۲)۔ "بلا ناغہ دعا مانگو" (تھسلنیکیوں ۵: ۱۷)۔

جائے عبادت کی نسبت کلمۃ اللہ نے اپنی زبانِ معجز بیان سے فرمایا۔ "تم نہ تو اس پہاڑ پر خداوند خدا کی پرستش کرو گے اور نہ یروشلیم میں۔۔۔ سچے پرستار باپ (پروردگار) کی پرستش روح اور سچائی سے کریں گے۔ کیونکہ پروردگار اپنے لئے ایسے ہی پرستار ڈھونڈتا ہے" (یوحنا۴: ۲۳)۔ "ہر کوئی اپنی جگہ میں اس کی پرستش کریں گے" (صفنیاہ ۲: ۱۱)۔ "آفتاب کے طلوع سے اس کے غروب تک میرا نام اقوام کے درمیان بزرگ ہوگا۔ اور ہر مکان پر میرے نام کے ہدیئے گذرانے جائیں گے" (ملاکی ۱: ۱۱)۔ "میں چاہتا ہوں کہ انسان ہر جگہ بغیر غصے اور تکرار کے پاک ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگا کریں" (۱۔ تیمتھیس ۲: ۸)۔ "خدا نے دنیا اور اس کی ساری چیزوں کو پیدا کیا۔ وہ آسمان اور زمین کا مالک ہو کر ہاتھ کے بنائے ہوئے مندروں میں نہیں رہتا" (اعمال ۱۷: ۲۴)۔ "باری تعالیٰ ہاتھ کے بنائے ہوئے گھروں میں نہیں رہتا۔ چنانچہ نبی کہتا ہے کہ خداوند خدا فرماتا ہے کہ آسمان میرا تخت ہے اور زمین میرے پاؤں کی چوکی ہے تم میرے لئے کیسا گھر بناؤ گے۔ یا میری آرام گاہ کونسی ہے" (اعمال ۷: ۴۸۔ ۴۹)۔ "جب تم دعا مانگو تو منافقوں کی مانند نہ بنو۔ کیونکہ وہ عبادت خانوں میں اور بازاروں کے موڑوں پر کھڑے ہو کر دعا مانگنا پسند کرتے ہیں۔ مگر جب تم دعا مانگو تو اپنی کوٹھڑی میں جاؤ اور دروازہ بند کرکے اپنے پروردگار سے جو پوشیدگی میں ہے دعا مانگو" (متی ۶: ۵۔ ۷)۔

اب ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ عبادت کے یہ اصول عالمگیر ہیں۔ خدا کی پرستش روح اور سچائی سے کرنی چاہیے۔ عبادت کے لئے کوئی خاص اوقات مقرر نہیں۔ اور نہ کوئی جگہ مقرر ہے۔ ہر وقت اور ہر جگہ انسان اپنے آسمانی باپ کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ زمان ومکان کی قیود کہیں نہیں ہیں۔

(۲)

برعکس اس کے قرآن مجید میں اسلامی آدابِ عبادت میں زمان ومکان کی قیود موجود ہیں جو ہمارے دعویٰ کی مصدق ہیں کہ اسلام عالمگیر نہیں بلکہ آنحضرت کے ہم وطن عربوں کے لئے تھا۔

چنانچہ قرآن میں آداب عبادت کی نسبت آیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (۴۳)

”مسلمانو تم نماز کے پاس بحالت جنابت مت جاؤ جب تک غسل نہ کرلو۔البتہ اگر مسافرت میں ہو تو مضائقہ نہیں۔اور اگر تم بیمار یا مسافر ہو یا کوئی تم میں سے پاخانہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ پھر اپنے مونہوں اور ہاتھوں پر مسح کرلیا کرو“ الخ۔(نساء آیت ۴۳)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا

”مسلمانو جب تم نماز پڑھنے کھڑے ہو تو اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولیا کرو۔اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھولیا کرو“۔(مائدہ آیت ٦)

اوقاتِ عبادت کی نسبت قرآن میں آیا ہے۔کہ

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ

”پس پاکی ہے اللہ کو جب تم شام کرو اور تیسرے پہر اور جب تم دوپہر کرتے ہو“۔اور ”تو دن کی دونوں طرفوں میں اور کچھ رات گئے نماز پڑھا کر“۔(ہود آیت ۱۱۴)

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ

”سورج کے ڈھلنے کے وقت سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کر“۔

(بنی اسرائیل آیت ۷۸)

جائے عبادت کی نسبت حکم ہے

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ

"پھیر لے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف۔اور جہاں تم ہو اپنا منہ اس کی طرف پھیرو" الخ۔

(بقر آیت ۱۴۴)

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۣ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَھْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

"اللہ کے لئے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ پھر اگر تم روکے جاؤ تو جو کچھ میسر ہو قربانی بھیج دو۔اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچے ۔پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی دکھ ہو تو چاہیے کہ وہ فدیہ دے۔روزہ یا صدقہ یا ذبیحہ ۔پھر جب تم امن پاؤ تو جس نے حج کے ساتھ عمرہ ملا کر فائدہ اٹھایا ہے۔اس کو چاہیے کہ جو کچھ میسر ہو قربانی دے۔پھر جس کو قربانی میسر نہ ہو وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے اور سات روزے اس وقت رکھے جب تم اپنے گھروں کو لوٹو" الخ۔

(بقر آیت ۱۹۶)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ

"جب تم میدانِ عرفات سے واپس ہو تو مشعر الحرام کے پاس خدا کو یاد کرو۔ پھر تم طواف کو چلو جہاں سے سب لوگ چلتے ہیں۔اور خدا سے اپنا گناہ بخشواؤ"

(بقر آیت ۱۹۸)

اربابِ بصیرت انجیلی اور قرآنی آدابِ عبادت کا مقابلہ کر کے خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کونسا مذہب عالمگیر ہونے کی قابلیت رکھتا ہے۔اسلام کی کتاب پر **لا یمسہ الا لمطھرون** کا دربان بیٹھا ہے لیکن انجیل کا یہ حال ہے کہ

گیر ددار و حاجب و در بان دریں درگاہ نیست

اسلامی پاکیزگی جسمانی اور ظاہری طہارت ہے۔ جس کا باطنی اور روحانی پاکیزگی سے کسی طرح کا بھی تعلق نہیں۔ یہ پاک کتاب عربی میں ہے جو عام فہم نہیں۔ جس کا ترجمہ ہزار دقت چھپتا ہے اور وہ بھی متن سے معرا نہیں ہوتا۔ پانی سے وضو کرنا اور مٹی سے تیمم کرنا۔ قبلہ رُخ ہو کر نماز پڑھنا اور وہ بھی صرف خاص اوقات میں اور اس پر طرہ (زیادہ) یہ کہ عربی زبان میں نماز پڑھی جائے۔ ایک ترکی مصنف نے کیا خوب کہا ہے۔

"یہ عجیب تماشہ ہے کہ ہم ایک ایسے اللہ کی پرستش کرتے جو سب کو عربی میں مخاطب کرتا ہے اور حق تو یہ ہے کہ وہ عربی کے سوائے تمام دیگر زبانوں سے قطعی ناآشنا ہے"۔

لیکن انجیلی احکام کے مطابق یہ ضروری نہیں کہ ہم کعبہ رُو ہوں۔

"اگر ٹخنوں کے نیچے یا اوپر پاجامہ ہو گیا تو اس سے خدا کی قربت میں کیوں فرق آنے لگا؟ سر پر عمامہ ہو یا نہ ہو روحانی قربت کو اس سے کیا واسطہ؟ خدا دستار اور شلوار اور وضو کو نہیں دیکھتا۔ وہ خلوص نیت اور صفائی قلب کو دیکھتا ہے۔ ایام ماہواری میں عورت نماز نہیں پڑھ سکتی گویا حائضہ کے لئے خدا اپنے کان بند کرلیتا ہے۔ پس ہر ماہ میں قریباً ایک ہفتہ تک عورت جسمانی ناپاکی کے باعث مذہبی فریضہ کو ادا نہیں کرسکتی۔ یہ کہاں کی عالمگیری ہے جو مرد اور عورت محض جسمانی ناپاکی کی وجہ سے خدا کی قربت حاصل نہیں کرسکتے"

(عالمگیر مذہب)

دل کہ پاکیزہ بود جامہ ناپاک چہ سود؟

سر کہ بے مغز بود فغزی دستار چہ سود؟

غرض یہ کہ نماز کے اوقات مقرر ہیں۔ اس کے آدابِ رکوع و سجود و قعود بھی مقرر ہیں بلکہ چند اوقات ایسے بھی ہیں جن میں خدا کو سجدہ کرنا حرام ہے چنانچہ مشکواۃ باب اوقات النھی میں مسلم کی روایت عقبہ بن عامر سے ہے کہ تین وقت ہیں جن میں رسول ﷺ ہمیں منع کیا کرتے تھے کہ نماز پڑھنے سے۔ پہلا وقت جب سورج نکلنے لگے۔ جب تک بلند نہ ہو۔ دوسرا وقت جب ٹھیک دوپہر ہو۔ جب تک دن نہ ڈھلے۔ تیسرا وقت جب سورج غروب ہو۔ جب تک اچھی طرح غروب نہ ہو جائے۔ وجہ یہ بتائی کہ طلوع و غروب کے وقت سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان (بین قرنی الشیطان) ہوتا ہے۔ اور دوپہر کے وقت دوزخ میں ایندھن جھونکا جاتا ہے۔ سوائے جمعہ کے روز کے۔ (ان جھنم تسجر الا یوم الجمعۃ) چنانچہ خواجہ کمال الدین مرحوم بھی۔ "ینابیع المسیحیت" میں فرماتے ہیں

"قربان جاؤں حضرت محمد ﷺ کے۔ اس نے اسلامی نمازوں کو اس شائبہ (آفتاب پرستی) سے الگ کردیا اور حکم دیا کہ سورج کے طلوع زوال اور غروب کے وقت کوئی نماز فرض ہو یا نفل نہ پڑھی جائے"

(ینابیع المسیحیت صفحہ ٦٧)

گویا خدا تعالیٰ یہ نہیں جان سکتا کہ کون شمس پرست ہے اور کون خدا پرست۔ للہٰذا جس وقت شمس پرست "سورج مہاراج" کو سجدہ کریں اس وقت مومنین پر لازم ہے کہ حقیقی معبود کی پرستش کو گناہ سمجھیں!

وضو کی شرط اوقات کی پابندی، کعبہ کی سمت شناسی ایسی شرائط ہیں جن کے بغیر کوئی متشرع (شریعت پر عمل کرنے والا، پرہیز گار) مسلمان عبادت نہیں کر سکتا۔ لیکن مسیحی روحانی تعلیم کے مطابق عیسائی ہر وقت نماز ادا کر سکتا ہے۔ وہ ہر سمت کو اپنا قبلہ بنا سکتا ہے۔ مسلمان سورج کے ٹھکانے کی کھوج میں ہوتا ہے یا قبلہ نما سے مدد لیتا ہے اور چاہتا ہے کہ کعبہ میری ناک کی سیدھ پر رہے۔ اس کی نماز کے اوقات بھی مقررہ ہیں۔ اور اس کی نماز قضا بھی ہو جاتی ہے مگر عیسائی کی نماز کبھی قضا نہیں ہوتی۔ وہ تعین قبلہ میں پریشان و مضطرب نہیں رہتا۔ نہ اس کو قضا پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ سجدہ سہو کرنے کی۔

بخدا خبر ندارم چو نمازے گذارم
کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

(مولانا روم)

مگر جس دین میں اسلام کی سی ظاہری پابندی ہو وہ عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھ سکتا۔ حج کا فریضہ بھی ہمارے اس دعویٰ کا مصدق ہے کہ رسول عربی صرف قوم عرب کے لئے ہی آئے تھے۔ آنخضرت کے زمانہ میں حج ایک آسان بات تھی کیونکہ اہل عرب ایک مرکزی جگہ پر جمع ہو سکتے تھے۔ روئے زمین کے باشندوں کے لئے اس فرض کو ادا کرنا ایک ناممکن بات ہے۔ عالمگیر مذہب کے اصول و احکام ایسے ہونے چاہئیں جن کی ہر قوم اور ہر ملک اور ہر زمانہ کے افراد یکساں طور پر تعمیل کر سکیں۔ یہ نہیں کہ بعض آسانی سے اس پر عمل پیرا ہوں اور دوسرے ہزار دقت سے اس پر عمل کر سکیں۔ اسی لئے مسیحیت میں نہ کوئی حج ہے نہ عمرہ نہ عرفات ہے۔ اور نہ قبلہ بلکہ ہر مسیحی کا دل بیت اللہ اور خدا کا مسکن ہے چنانچہ مقدس پولوس فرماتے ہیں کہ "کیا تم نہیں جانتے کہ تم خدا کا مقدس ہو۔ اور خدا کا روح تم میں بسا ہوا ہے" (۱۔ کرنتھیوں ۳: ۱۶)۔

مسیحیت ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ باری تعالیٰ ہاتھ کے بنائے ہوئے گھروں میں نہیں رہتا۔ چنانچہ نبی کہتا ہے کہ "خداوند خدا فرماتا ہے۔ آسمان میرا تخت اور زمین میرے پاؤں تلے کی چوکی ہے تم میرے لئے کیسا گھر بناؤ گے۔ یا میری آرام گاہ کونسی ہے" (اعمال ۷: ۴۸)۔

علیٰ ہذا القیاس روزہ کے فریضہ پر غور کرو۔ جس کے باعث سحری سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ اوّل کھانا، پینا اشیائے خوردنی وغیرہ سے پرہیز کرنا ایک جسمانی امر ہے۔ جس کا تعلق حقیقی روحانیت اور قربت الٰہی سے نہیں ہے۔ "کھانا ہمیں خدا سے نہیں ملائے گا۔ نہ کھائیں تو ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ اور اگر کھائیں تو نفع نہیں" (۱۔ کرنتھیوں ۸: ۸)۔ علاوہ بریں اسلامی روزہ ایسا ہے کہ کل بنی نوع انسان اس کی شرائط کی تعمیل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اس کے برعکس مسیحیت نے روزہ کے لئے خاص اوقات اور مہینے مقرر نہیں کئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "خدا کی بادشاہت کھانے پینے پر نہیں بلکہ راستبازی اور میل ملاپ اور اس خوشی پر موقوف ہے جو روح القدس کی طرف سے ہوتی ہے" (رومیوں ۱۴: ۱۷)۔ پھر ارشاد ہے "میرے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے کس لئے روزے رکھے۔ خدا تو دیکھتا ہے نہیں؟ تو اس پر لحاظ نہیں رکھتا؟ دیکھو اس طرح کا روزہ رکھنا نہیں چاہئے۔ کیا یہ وہ روزہ ہے جو مجھے پسند ہے؟ ایسا دن کہ اپنی جان کو دکھ دے اور اپنے سر کو جھاؤ کی طرح جھکائے؟ کیا وہ روزہ جو میں چاہتا ہوں یہ نہیں کہ ظلم کی زنجیریں توڑیں۔ اور جوئے

کے بندھن کھولیں؟اور مظلوموں کو آزاد کریں۔ بلکہ ہر ایک جوئے کو توڑ ڈالیں کیا یہ نہیں کہ تو اپنی روٹی بھوکوں کو کھلائے اور مسکینوں کو جو آوارہ ہیں اپنے گھر میں لائے۔ اور جب کسی کو ننگا دیکھے تو اسے پہنائے اور تو اپنے ہم جنس سے روپوشی نہ کرے؟"(یسعیاہ۵۸: ۳۔۷)۔اس کے بالمقابل قرآنی روزہ کی ہدایت ملاحظہ ہو

وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَى الَّیْلِۚ

"جب تک فجر کو سفید دھاگا کالے دھاگے سے صاف جدا نظر نہ آوے کھاؤ پیو۔ پھر رات تک روزہ تمام کرو"

(بقر آیت ۱۸۷)

ناظرین خود انصاف کریں کہ روزہ کی کونسی ہدایت عالمگیر کہلانے کی مستحق ہے۔

اسلام میں قربانی کی ہدایت اور حکم موجود ہے۔تا کہ اللہ مومنوں سے ان کے گناہ دفع کرے(حج آیت ۳۹)اور اس بارے میں یہاں تک مبالغہ سے کام لیا گیا ہے کہ لکھا ہے کہ

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۷۳)

"خدا نے ایک مردے کو ایک قربانی کی گائے کے ٹکڑے سے زندہ کر دیا"۔

(بقر آیت ۷۳)

خدا نے قرآن میں نبی کو قربانی کے لئے حکم دیا

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ (۲) اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۳)

"اے نبی اپنے رب کے لئے قربانی کر۔ بیشک جو تیرا دشمن ہے وہی بے نسل ہے"۔

(کوثر آیت ۲۔۳)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ "خدا سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے خوش نہیں ہوتا"۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"دیکھ حکم ماننا قربانی چڑھانے سے اور شنوا ہونا مینڈھوں کی چربی سے بہتر ہے"(ا۔سموئیل ۱۵: ۲۲)۔"خدا سے سارے دل اور ساری عقل اور ساری طاقت سے محبت رکھنا اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھنا سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے بڑھ کر ہے"(مرقس ۱۲: ۳۳)۔

جانوروں کی قربانی کا اصول درحقیقت مذہب کی عالمگیریت کے منافی ہے۔خود ہندوستان کو دیکھ لو ہر سال قربانی کی عید پر فساد ہوتا ہے کیونکہ اہل اسلام کی قربانی سے اہل ہنود(ہندو کی جمع) کی دل آزاری ہوتی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا یہ اصول اور حکم ہر ملک پر حاوی نہیں ہو سکتا۔

اور اس سے ہمارے دعویٰ کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ اسلام صرف آنحضرت کے ہم وطن عربوں کے لئے تھا۔ جہاں اونٹ وغیرہ کی قربانی ہو سکتی تھی۔ جن ممالک میں اونٹ یا دیگر قربانی کے جانور نہیں ہیں وہ خود ان احکام سے مستثنیٰ ہو گئے اور اسلام عالمگیر مذہب نہ رہا۔

پس اسلامی عبادت کے سب اصولوں کا تعلق ملکِ عرب کے ساتھ ہے۔ اور وہ زمان ومکان کی قیود سے آزاد نہیں ہیں للہذا وہ عالمگیر نہیں ہو سکتے۔

فصل ششم

اصولِ شریعت

(۱)

ہم نے اپنے رسالہ ''کلمتہ اللہ کی تعلیم'' میں انجیل جلیل کے اساسی اصول پر مفصل بحث کی ہے اور کتاب ''مسیحیت کی عالمگیری'' کے باب دوم میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ کلمتہ اللہ کے اصول جامع اور عالمگیر ہیں۔ وہ اَلف سے لے کر یؔ تک روحانی ہیں۔ لہٰذا زمان و مکان کی قیود سے آزاد اور کل اقوام و ممالکِ عالم پر حاوی ہیں۔ کل دنیا کے مذاہب کے رسولوں اور پیغمبروں کے احکام ان کے اپنے ماحول یا مختلف معلموں کے خیالات کا مجموعہ ہیں جو ان کی قوم کے ساتھ مختص ہیں جس کی وجہ سے ان کے پیغام میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ ان اصولوں کا تعلق صرف ایک قوم کے ساتھ وابستہ تھا اور یہی وابستگی ان کو عالمگیر ہونے نہیں دیتی۔ لیکن انجیل جلیل کے اصول کسی خاص ملک قوم یا زمانہ کے لئے وضع نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہونے کی وجہ سے ان کا اطلاق کل اقوام و ممالک و ازمنہ پر ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ کلمتہ اللہ عالمِ روحانیت کے واحد حکمران اور تاجدار ہیں۔

(۲)

احکامِ شرعیہ زمان و مکان کی قیود میں جکڑے ہیں

لیکن قرآن کے اصول اور اسلام کے احکام عالمگیر ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے وہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد نہیں بلکہ قیود شرعیہ کی زنجیروں اور دیگر پابندیوں سے جکڑے ہوئے ہیں وہ جامد اور ٹھوس ہیں جو ضرورتِ زمانہ اور حالتِ خاص کے مطابق نہیں ڈھالے جا سکتے۔ ضروریات زندگی تغیر پذیر ہوتی ہیں پس وہ ہر ملک قوم اور زمانہ کے لئے یکساں نہیں ہوتیں۔ لیکن اسلامی احکام ان تغیرات کے مطابق حسب ضرورت چسپاں نہیں کئے جا سکتے ۔ کیونکہ شارع (سیدھا راستہ، شریعت سکھانے والا) کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ اس کے احکام کا غیر عرب پر بھی اطلاق کیا جائے گا۔ تمام دنیا کے ممالک کے لوگ اور ہر زمانہ کے مختلف افراد ایک ہی لاٹھی سے ہانکے نہیں جا سکتے۔ خود حضرت رسول عربی کی عین حیات میں آپ کو موقعہ اور محل کے مطابق اور تغیر حالات کے باعث چند احکام بدلنے پڑے تھے۔ ناسخ و منسوخ کا مسلمہ مسئلہ اس امر پر شاہد ہے۔

(سورہ بقرہ آیت ۱۰۰) جلال الدین نے اپنی کتاب ''اتقان'' میں بیس (۲۰) ایسی آیات لکھی ہیں جن پر ناسخ و منسوخ کا اطلاق ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ اپنی کتاب ''حجتہ البالغہ'' میں اسباب نسخ پر بحث کرتے ہوئے ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا

"کلامی ینسخ کلام الله وکلام الله ینسخ کلامی وکلامه الله ینسخ بعض بعضھا"۔

"یعنی میرا کلام خدا کے کلام کو منسوخ نہیں کرسکتا اور خدا کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور خدا کا کلام دوسرے کلام کو منسوخ کرتا ہے"۔

پھر اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ

"کسی شے میں ایک وقت میں کوئی مصلحت یا خرابی ہوتی ہے۔اس کے مطابق اس کا حکم متعین ہو جایا کرتا ہے۔اس کے بعد ایک زمانہ آتا ہے۔اس میں وہ حالت اس شے کی نہیں رہتی اس لئے وہ حکم بھی اس کا نہیں رہتا۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آغاز اسلام میں امت کے لئے کفار سے جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی۔اس وقت نہ لشکر تھا نہ خلافت لیکن جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مسلمان واپس آگئے۔خلافت کا ظہور ہوا اور دشمنانِ خدا سے مقابلہ کی قوت ہوگئی۔تو خدا تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا کہ اب ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت ہے"۔

(آیات اللہ الکاملہ ترجمہ حجتہ البالغہ باب ۷۳ صفحہ ۱۹۱)

جب رسول عربی اس دنیا سے کوچ کر گئے اور شریعت الٰہی میں تبدیلی کا امکان نہ رہا اور شریعت ٹھوس ہوگئی تو اب اسلامی شرع ہمیں صرف ایک خاص قسم کی رسوم، طرز معاشرت، اقتصادیات اور سیاسیات وغیرہ کی پابند کرتی ہے۔جن کا تعلق پہلی صدی ہجری کے زمانہ کے ساتھ ہے جن کا اطلاق اس بیسویں (۲۰) صدی مسیحی میں مختلف ممالک اور مختلف طبائع (طبیعت کی جمع) پر نہیں ہو سکتا۔اب تمام اسلامی ممالک اس امر کو محسوس کر رہے ہیں کہ اگر وہ اقوام عالم کے ہمدوش ہو کر چلنا اور باعزت زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو ان کو ان تمام قیود شرعیہ سے آزاد ہونا ہوگا۔"جن کے آہنی پنجہ" میں وہ اب تک جکڑے رہے ہیں **ایدھمہ الله بنصرہ**۔ان تمام اسلامی ممالک کی تاریخ زبانِ حال سے پکار کر کہہ رہی ہے کہ اسلام میں عالمگیر مذہب ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔"جس کے کان سننے کے ہوں وہ سن لے"۔

(۳)

اس روشن حقیقت کے باوجود بعض اشخاص ایسے بھی ہیں جو دور حاضرہ میں غیر عرب ممالک میں اسلام کی اشاعت کا ڈھول بجا کر جاہل مسلمانوں سے روپیہ بٹور کر اپنا الوسیدھا کرتے ہیں۔چنانچہ جب مرزائی جماعت نے دیکھا کہ اب اور کسی حیلے سے روپیہ ہاتھ نہیں آتا تو انہوں نے مسلمانوں کی جیبوں پر اسلام کے نام سے ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیا ہے۔چنانچہ اس فرقہ ضالہ کی قادیانی جماعت نے "تحریک جدید" کے نام سے اور لاہوری جماعت نے "اشاعت اسلام" کے نام سے ہندوستان کے مسلمانوں کو دھوکا دینا شروع کر دیا ہے۔وہ بڑے زور شور سے دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ براعظم یورپ اور افریقہ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کر رہے ہیں اور ان ممالک کے لوگ دھڑا دھڑ اسلام کے حلقہ بگوش ہو رہے ہیں۔ان کو دائرہ اسلام میں لانے

کے لئے روپیہ کی اپیل کرتے ہیں ہر سالانہ جلسہ پر اس خانہ ساز تبلیغ کی رپورٹ بازی ہوتی۔ احمق چندہ دہندگان کی خاطر جمعی کے لئے چند ایک ''نو مسلموں'' کے نام اور تصاویر شائع کی جاتی ہیں۔ لیکن ہندوستان میں ایسے مسلمان بھی ہیں جن کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل ہے اور وہ اس خداداد عقل کو استعمال بھی کرتے ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً مرزائی جماعت کے دو فرقوں کے پول کھول دیتے ہیں۔ چنانچہ مرحوم خواجہ کمال الدین کی انگلستانی تبلیغی تحریک کی نسبت ایک مسلمان اخبار مدینہ بجنور میں زیر عنوان ''مکتوب لندن'' یوں فرماتے ہیں

> '' تمام تحریک (یعنی انگلستان میں تبلیغ اسلام کی تحریک) ایک بڑا فریب ہے کیا آپ سمجھتے ہیں وہ اسلامی زندگی پیدا کر سکتے ہیں۔ جس کا ڈاکٹر اقبال خواب دیکھتے ہیں یا جس کے لئے ایک مسلمان چندہ دیتا ہے مثلاً غیر ذبیحہ گوشت سے اجتناب، طہارت بدن، کپڑے کی پاکی، پابندی صوم صلوٰۃ۔ زکوٰۃ اور حج جنہیں ہم رکن اور اسلامی فرائض سمجھتے ہیں۔ آپ اس کے متعلق یہاں کہیں تو لوگ آپ کو خصوصاً انگریز مسلمان دقیانوس خیال (پرانے رسم ورواج) کریں گے اور آپ بھی نادم ہوں گے۔ اگر کمال الدین مشن یہاں کامیاب ہے تو یہ خود اس کی بین دلیل ہے کہ انہوں نے روح اسلام پر کوئی ظلم کیا ہے۔ ووکنگ مسجد ایک عمدہ سوشل کلب ہے۔ فائدہ یہ ہے کہ دوسرے تھیٹر تماشہ گاہوں کی طرح وہاں خرچ کچھ نہیں۔ میں واقعی اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یہ دیکھتے ہوئے۔۔۔۔۔۔ لندن کے اس کلب کے لئے جس کا نام غلطی سے ووکنگ مسجد ہے روپیہ لوگ کس طرح دیتے ہیں۔ بیگم صاحبہ دام اقبالہ والیہ بھوپال نے دورانِ قیامِ انگلستان میں اس مسجد میں نماز پڑھنا گوارا نہ کیا اور اس فریب پر بار بار روئیں''

(۷ جنوری ۱۹۲۸ء نمبر ۵ جلد ۷ اصفحہ ۴)۔

پس تاریخ اور دورِ حاضرہ کے حالات سے ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ اسلام میں عالمگیر ہونے کی اہلیت سرے سے ہی نہیں ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان اس کو عالمگیر سمجھتا ہے تو ''روح اسلام پر ظلم کرتا ہے''۔

انہی امور کو پیش نظر رکھ کر انگریز مسلمان۔ خصوصاً مرزائی فرقہ کی لاہوری جماعت کی مایہ ناز ہستی مرحوم لارڈ ہیڈلے اسلام میں قطع وبرید کرنا (کانٹ چھانٹ کرنا) چاہتے ہیں۔ تاکہ انگریز مسلمان ہو سکیں۔ ہم ذیل میں ان کے خط کا اقتباس کرتے ہیں جو یکم جولائی ۱۹۲۷ء کے قادیانی (لاہوری) انگریزی اخبار لائٹ میں شائع ہوا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ :

> ''اگر آپ یارک شائر برطانیہ کے کسی کسان پر زور ڈالیں کہ وہ سؤر کا نمکین گوشت، انڈے اور شراب کا استعمال ترک کردے۔ حالانکہ یہ غذائیں اس کے لئے نسلوں سے مفید ثابت ہورہی ہیں اور اسے یہ کہیں کہ اگر ان اشیاء کا استعمال جاری رکھو گے تو نجات کا دروازہ تمہارے لئے بند ہو جائے گا۔ تو آپ اسے اسلام کی صداقت اور وسیع النظری کا معتقد (پیرو) بنانے سے قاصر رہیں گے۔ اسی طرح اگر آپ ایک مسلمان کے لئے یہ لازمی شرط قرار دیں گے کہ ہر ایک تاجر دن بھر میں پانچ بار سجدہ بجالائے اور نماز پڑھے تو آپ بہت سے لوگوں کو اسلام کے حلقہ میں نہ لا سکیں گے۔ جو کچھ عرب کے ایک باشندے کے لئے جو صحرائی گردونواح میں رہتا ہے اور ڈھیلے اور سستے کپڑے پہنتا ہے ممکن ہے۔ وہ ایک مصروف تاجر کے لئے جو قیمتی لباس میں ملبوس ہے۔ ناممکن ہے۔ ایک گیلے اور کیچڑ

والے بازار میں نماز کے لئے جھکنے کا خیال ہی حماقت میں داخل ہے۔ جو شخص ایسا کرنا چاہتا ہے اسے یہ بھی سوچنا ہوگا کہ کپڑوں کی سلائی کا خرچ کس قدر اٹھے گا۔ انگریز کے دماغ میں نہ آسکے گا کہ نجات کے لئے یہ چیز بھی ضروری ہے۔ حالات گردوپیش ناموافق ہیں اور دائمی خوشی کے حصول کا انحصار اس بات پر نہ ہونا چاہئے۔ کہ کوئی شخص مکہ میں پیدا ہوا ہے یا انگلستان میں پس میری رائے ہے کہ ہمیں صرف خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان لانا چاہیے۔ اور مجھے کوئی وجہ نہیں نظر آتی کہ کیوں دوسرے عقائد لوگوں کے گلے میں ٹھونسے جائیں جب کہ ایسا کرنے سے ہم انہیں اسلام سے دور کرتے ہیں"۔

(ماخوذ از پرتاپ لاہور ۱۱ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(۴)

سید مقبول احمد صاحب لکھنو کے رسالہ نگار میں اسی مضمون پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"دنیا میں عموماً دو قسم کے مذاہب پائے جاتے ہیں۔ ایک قومی اور دوسرے عمومی۔ قومی مذاہب ہنود، یہود و مجوس ہیں۔ عمومی مذہب بدھ، نصرانیت اور ایک حد تک اسلام ہیں۔ پہلے قسم کے مذہب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک قوم کے لئے مخصوص ہوتا ہے اور دوسری قوم میں اس کی اشاعت ممنوع و ناممکن ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے قسم کے مذہب ہیں۔ مگر اسلام کی صورت دونوں کے بین بین عجیب ہے۔ وہ اس لحاظ سے قومی مذہب ہے کہ قرآن کے ساتھ مذہب کا جزو وہ قومی شریعت بھی ہے جو بالخصوص عرب کے لئے قرآن اور زیادہ تر روایات سے تدوین کی گئی ہے۔ کیونکہ جب کسی مذہب کے ساتھ شریعت جزو لازم ہو تو وہ قومی مذہب پایا جائے گا اس کے معنی صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ قانون ایک خاص معاشرت کے قوم کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے۔ عمومی مذہب شریعت کا پابند نہیں ہو سکتا۔ بشر طیکہ اس مذہب میں ہر قوم کو شریعت میں اختیار کا حق حاصل ہو۔ اسلام ایک عربی شریعت کا پابند بنا دیا گیا ہے۔۔۔ اس نے مختلف قوموں کے کو ایک رنگ اور ایک خیال میں ڈھال کر ان کو ایک مرکز اور ایک شریعت سے وابستہ کر دیا ہے۔ ہمارے لئے تو یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو ہم اسلام کے احسانات میں شمار کرتے رہے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے اس ایک فعل نے مسلمانانِ عالم کی ایک عجیب صورت بنا کر ان کو قومی اور دُنیاوی ترقی سے خالی کر دیا ہے۔ بلکہ اسلام کی تبلیغی ترقی میں اس درجہ حارج (مزاحمت کرنے والا) ہے کہ بلاشبہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم صاف لفظوں میں اس کی خرابیوں کا اعادہ کریں"

(ماہ مئی ۱۹۲۸ء)۔

"اگر اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔۔۔۔ تو کیوں ہم عربی قومی خصائص (خاصیت کی جمع، عادات) کے لئے مثلاً ختنہ، عقیقہ، طواف کعبہ، سعی صفا و مروہ امتناع لحم خنزیر احکام وراثت نکاح طلاق و ازدواج۔ بیع و شرا بلکہ ایک خاص

طریقہ عبادت کے لئے (جو بالتخصیص عربی زبان میں ہو) مجبور کئے جاتے ہیں۔ اور بغیر ان کے ہم مسلمان نہیں سمجھے جاتے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کی دوسری قوموں کا بلحاظ آب وہوا،مزاج،زبان، عادات، معاشرت وتمدن وغیرہ اختلاف رکھناایک فطری خاصہ ہے۔۔۔پس اگراسلام عربی قوم کے لئے مخصوص تھاتواس کادوسری قوم میں پھیلانا بے معنی ہے اور اگر پھیلا یاجائے تواس کی اول شرط یہ ہونی چاہیے کہ ایسی قوم کو پہلے عربیت میں ڈھالنا چاہیے اور اس کے بعدان کو مسلمان کرناچاہیے۔۔۔ نتیجہ یہ ہواکہ جو قومیں فطرتاًعرب کے عادات اختیار کرنے کے قابل نہ تھیں۔ خصوصاًجو سرد ملکوں مثلاًیورپ کے رہنے والی تھیں ان کواسلام لانے میں ہمیشہ تکلف ہوااوراسلام صرف ان ممالک میں پھیل کررہ گیاجہاں تک عربوں کی تلوار اور سلطنت وسیع ہوئی۔ چنانچہ اہل شام ومصروبربر کو مجبوراً اپناتمدن بدل کر مستعرب (وہ مشرقی جو مغربی علوم کا جاننے والا ہو) قوم بنناپڑا۔اور اہلِ عجم نے اپنا قومی شعار زبان عربوں کے لئے نہ بدلی۔انہوں نے شریعت کے قیود سے باہر ہوکر صوفیت کی بناڈالی۔اسلام کواس خطرناک غلطی کا اس وقت تک پتہ نہ چلا۔جب تک عرب پر حکومت کاخمار تھا۔ مگر جب یہ خمار ٹوٹاتواس کے ساتھ اسلام کارشتہ ترقی بھی تار عنکبوت (مکڑی کے جالے) کی طرح ٹوٹ کر زمین پر گرپڑااور اب یہ حالت ہے کہ اگرچہ اسلام متعدد قوموں میں پھیلا ہوا ہے اور وہ سب مل کر ایک قوم اسلام کے ماتحت ہیں۔ مگر سب حالتِ انحطاط (تنزل، گھٹاؤ)میں پڑے ہوئے زندگی بسر کررہے ہیں''۔

(رسالہ نگار لکھنوماہ مئی ۱۹۲۸ء)۔

یہی صاحب پھر لکھتے ہیں کہ

''تمام وہ باتیں جن کااثر ہر قوم وہر زمانے میں عام نہیں وہ سب مذہب کے فروغ ہیں اور اس میں احکامات دیوانی وفوجداری وجہاد۔ قومی مراسم بلکہ طریقہ عبادات بھی شامل ہیں۔ مذہب کی عملی پابندی کے لئے اگرایک شریعت ضروری ہے توہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی دنیا کے اندر ہر قوم وہر زمانہ میں ابو حنیفہ پیدا ہوا کریں جواپنے ملکی حالات ومعاشرت کو پیش نظر رکھ کراجتہاد(کوشش) کریں۔مگر پہلی صدی ہجری کے آئمہ کے قیاسات کومذہب کے عام اصولوں کے ساتھ دوامی (ہمیشہ رہنے والا) سمجھنا تبلیغ واشاعت کے لئے بہت براہے اور خود قوم اسلام کی دنیاوی ترقی کا سد باب ہے ۔ یہ ایسی غلطی ہے جس کا خمیازہ ہم نے اب تک اٹھایا ہے ۔ یورپ اور عرب کی نشست وبرخاست ولباس میں زمین وآسمان کافرق ہے۔ عرب اپنی مسجد میں زمین پر بیٹھ کرآسانی سے عبادت کر سکتا ہے۔ مگر یورپ کرسی کا عادی ہے ۔ کیو ں نہ یورپ کا ابو حنیفہ عبادت کا طریقہ ان کی عادت کے موافق اجتہاد کرے۔یورپ کے ایک مشغول کاروباری سے کہو کہ وہ مغرب کے وقت جب کہ وہ اپنے کام سے راحت پاتاہے۔یا ظہر کے وقت کوئی نماز اداکرے اور اسی پر اس کے اسلام کاانحصار ہو تو وہ کیوں کر اسلام کو فطری مذہب مان سکتا ہے''۔

(رسالہ نگار جون ۱۹۲۸ء)

مسلمانوں میں یہ احساس مدت سے ہے۔ مثلاًایک روشن خیال مسلمان مسٹر احمد نے اخبار پایونیر مطبوعہ ۱۴نومبر ۱۹۰۸ءمیں لکھا تھا۔

"میں نے ایشیا،افریقہ،یورپ کی اسلامی ریاستوں کی تاریخ بڑی احتیاط وتوجہ سے مطالعہ کیاہے اور نیز انگریزی قوم کی تاریخ کا بھی۔میں ہندستان میں پیدا ہوااور یہیں پرورش پائی۔اسلامی طبیعت کے رنگ ومیلان سے میں واقف ہوں اور جس نتیجہ پر میں پہنچا ہوں وہ یہ ہے اسلام میں تغیر کا خیال ہی ندارد(نیست ونابود ہونا) ہے اوراس لئے ترقی کا جوہر بھی مفقود(معلوم نہ ہونا) ہے اور یہی باعث ہے،کہ کوئی اسلامی قوم اس قابل نہ ہوئی کہ ترقی کی ایک حد معین تک پہنچ کر آگے قدم بڑھاسکے۔اسلام سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہماری اس زندگی کے معاملات میں ہمارے طرز عمل کی ہدایت کے لئے جزئی اور تفصیلی قواعد بھی سکھلادے۔اسلامی سوسائٹی کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ جو کچھ انسان کو درکار تھا سب ہمارے پاس موجود ہے۔جو کچھ ملنا تھا آسمان سے نازل ہوچکا ہے۔ہماری ساری شامتوں مصیبتوں کا باعث یہی ہے اور ہمارے زوال اور انحطااور انجام کار نامرادی کا بھی یہی باعث ہے کہ ہم اپنے قوانین وانتظامات کو کامل تصور کر بیٹھے اور ناقابل تبدیل وترمیم۔کتنی دفعہ ہم نے کوشش کی مگر قاصر رہے اس قانون کی نظر ثانی کرلیں۔جو سود لینے دینے کے خلاف ہے یااس قانون کی جس کی بدولت مالک کے مرتے ہی جائداد کے تکے بوٹی لگ جاتے ہیں۔انہیں وجوہ سے کثرت ازدواجی آج تک برقرار ہے اور غلامی بھی،باندیوں کا بلانکاح حرم بنالینا بھی۔اور یہ ہمارے معاشرتی انتظام کے گویا جزواعظم بن گئے ہیں۔شوہر کے اختیارات طلاق کے آگے کوئی روک نہیں مگر زوجہ کو مطلق حق نہیں کہ وہ جدائی کی طلبگار ہوسکے۔مسلمانوں کواس روپیہ پر سود مانگنا حرام جو قرض میں دیا گیااس لئے دیگر ساری قومیں دولتمند ہوتی جاتی ہیں۔حتیٰ کہ زرسراسر دیگر قوموں کے ہاتھوں میں آگیا۔میں دلیری کے ساتھ علانیہ پکار کرکہے دیتاہوں کہ ہرگز کوئی ترقی نہیں ہوسکتی تاوقت یہ کہ ہم یہ دیکھنے لگ جائیں کہ اصل الاصول اور ابدی دینی واخلاقی صداقتیں صرف وہی ہیں۔جن کی تلقین مکہ شریف میں کی گئی تھی لیکن وہ قوانین جو مدینہ النبی میں مقرر ہوئے تھے وہ صرف اہلِ عرب کے لئے موضوع تھے اور ابتدائی قرون اسلام کے لئے موضوع ہوئے تھے"۔

مسٹر احمد کے اس خط کا جواب ۲۸نومبر کے پایونیر میں ایک اور مسلمان مسٹر عسکری نے دیا۔لیکن اس نے بھی انجام کار وہی بات کہی جو مسٹر احمد نے کہی تھی اور اپنے الفاظ میں یوں ادا کی۔

> "مذہبی اور اخلاقی صداقتیں اسلام کی اصل الاصول اور ابدی سچائیاں ہیں مگر اسلام میں جو قوانین اور معاشرتی نظامات ہیں جن کی نبی صاحب نے بیشتر اپنے زمانہ کے اہل عرب کی ہدایت کی خاطر تلقین کی تھی وہ قابل تبدیل ہیں"۔

یہودی عالم ڈاکٹر مانٹی فیوری ہم کو بتاتا ہے کہ "یہودیت میں بھی بعینہ یہی دو عنصر تھے۔یعنی خدا کی وحدانیت اور اخلاقی تعلیم ایک طرف اور قومی قیود مراسم دوسری طرف اور موخرالذکر امر اس مذہب کے عالمگیر ہونے میں سدِراہ(مانع ہونا،روک بننا)ثابت[1] ہوا"۔اور یہی قومی قیود اسلام کو عالمگیر ہونے سے روکتے ہیں۔

---

[1] - Synoptic gospel.vol.1 ppcx111.

(۵)

مولانا عبدالماجد بی۔اے مرحوم مولانا محمد علی کے اخبار ''ہمدرد دہلی'' میں بعنوان ''ہماری بے بسی'' یہ سوال پوچھتے ہیں اور فرماتے ہیں

''ہم کو مذہبی آزادی ہندوستان میں حاصل ہے اس کا اندازہ روزمرہ کی چند مثالوں سے فرمائیے۔ ہم میں سے ایک شخص حرامکاری کا مرتکب ہوتا ہے۔اس کے بعد وہ اپنے تئیں حد شرعی کے لئے پیش کرتا ہے کیا قانون وقت ہم کو اس کی اجازت دے گا کہ ہم اسے سنگسار کریں؟ایک مسلمان چوری کرتا ہے۔دوسرے مسلمان اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔کیا اس اسلامی سزا دینے کے بعد وہ مسلمان خود سرکاری مجرم نہ قرار پاجائیں گے؟شراب کی آزادانہ تجارت اور آبکاری وافیون کے محکموں کو مسلمانان ہند اگر توڑنا چاہیں تو ازروئے قانون توڑ سکتے ہیں''۔

(۱۹فروری ۱۹۲۵ء)

کیا اس قسم کا اضطرار (بے قراری،بے اختیاری) اور بے چینی یہ ثابت نہیں کرتی کہ اسلامی قوانین عالمگیر نہیں ہیں۔آج کونسی مہذب سلطنت زناکاری کی سزا سنگساری اور چوری کی سزا قطع ید سارق (ہاتھ کاٹ دینا) تجویز کرے گی۔یہ قوانین رسول عربی کے زمانہ کے اہل عرب کے لئے نہایت موزوں تھے۔لیکن چونکہ وہ ابتدائی قرون اسلام کے لئے موضوع ہوئے تھے۔چودہ سو (۱۴۰۰) سال کے بعد دورِ حاضرہ کے حالات پر ان کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

(۶)

گذشتہ چند سالوں کے دوران میں ہندوستان کی مسلم اخبارات میں اس بات پر بڑی لے دے رہی ہے کہ مسلمان عورت کو یہ اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ مذہب اسلام کو ترک کرکے کوئی دوسرا مذہب اپنے نکاح کو فسخ (منسوخ کرنے،ارادہ توڑنے) کرانے کی خاطر اختیار کرسکے۔بیچاری عورت ذات سے اسلام نے طلاق دینے کا حق پہلے ہی چھین رکھا تھا۔پس اس کے لئے طلاق حاصل کرنے کے لئے ایک ہی راہ کھلی تھی کہ وہ ایسے مذہب کو ترک کرکے خاوند کی غلامی سے نجات پائے۔لیکن اب اہل اسلام نے شوروغل مچا کر حکومت ہند سے قانون پاس کرواکر عورت کے لئے یہ راہِ فرار بھی بند کروادی ہے۔اس قانون کے پاس کرانے کی جدوجہد کے سلسلہ میں مولوی محی الدین احمد صاحب بی۔اے۔نے ایک مضمون رسالہ ''پیام اسلام'' جالندھر کے (جنوری ۱۹۳۵ء) نمبر میں لکھا۔اس میں مولوی صاحب موصوف لکھتے ہیں۔

''آج کل تمام مسلم اخبارات میں عورتوں کے نکاح کو فسخ کرانے کے لئے تبدیل مذہب کرنے پر ایک بجا شور بپا (برپا) ہے۔اور اس فتنہ کو روکنے کے لئے مختلف تدابیر پیش کی جارہی ہیں۔اس وقت سب سے زیادہ اجتماع آراء اس امر پر ہورہا ہے کہ حکومت انگریزی سے ایک خاص مسودہ قانون اس بارے میں منظور کرایا جائے جس سے اس فتنہ کا سدِباب ہوسکے۔۔۔۔۔یہ مسئلہ دراصل مسلمانوں کی موت وحیات کا مسئلہ ہے''۔

میرا ناقص خیال یہ ہے کہ جہاں تک تجویز کردہ راہ کی صحت کا تعلق ہے مجھے خوف ہے کہ یہ ع

کیں راہ کہ تو می روی بترکستان است کا مصداق ہے۔

اگر ہم ایک مرض کا علاج کرتے ہوئے ایک دوسرے شدید تریں مرض کو خرید لیں۔ تو اسے صحیح چارہ گری نہیں کہہ سکتے۔ امت مسلمہ کا یہ متفقہ اور متحدہ فیصلہ ہے کہ ملت کو اپنی مذہبی تکالیف کے سلسلے میں جن کا تعلق ہمارے پرسنل لا (یعنی شریعت محمدی) سے ہو۔ خواہ وہ تکالیف کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہوں۔ حکومت کا دروازہ کھٹکھٹانا اور بذریعہ قانون رائج الوقت اس کی چارہ گری کی سعی کرنا نہ صرف انتہادرجہ کی حمیت (غیرت) دشمنی بلکہ شدید تریں نتائج سیئہ کا باعث ہے۔ اس لئے یہ راہ کبھی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں شاردا ایکٹ کی یاد ابھی تازہ ہے۔ انہیں ضرور یہ بھی یاد ہوگا۔ کہ علمائے کرام کی ایک جماعت کثیر شاردا ایکٹ کو مصالح ملیہ (قومی نیکی) کے لئے مفید سمجھنے کے باوجود اسے قبول کرنے سے انکار کرتی تھی۔ مجھے معاف کیا جائے۔ اگر میں یہ عرض کروں کہ موجودہ مسئلہ میں حکومت سے ایک قانون بنانے کا مطالبہ بھی ایسا ہی مطالبہ ہے جو اپنے نتائج کی دوررسی کے لحاظ سے کہیں زیادہ وسیع اور کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ اس لئے اس مطالبہ سے جس قدر بھی جلدی ہم لوگ دست بردار ہو جائیں اسی قدر بہتر ہوگا

ایک مسلمان کو مسلمان ہوتے ہوئے اپنے عوارض (عارضہ کی جمع، پیش آنے والی چیزیں، مرض، دکھ، بیماریاں) کے لئے صرف کتاب وسنت ہی کے دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت ہے۔

لیکن آج ہماری سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا فریق اس راہ سے بہت دور جا پڑا ہے۔ اس کے نزدیک فکر واجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے ضروریاتِ حاضرہ کے پیش نظر فقہ جدید کی تدوین یک طرف۔ ان حضرات کے عقیدہ میں قدیم فقہوں میں عندالضرورت ترمیم و تنسیخ (ردوبدل) یا حک (کھرچنا، مٹانا) واضافہ کا خیال بھی گناہِ عظیم ہے۔ اور معاملہ یہی تک ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس گروہ کے خیال میں قول

راجح دیکھنے کا حق بھی بجز چند نہایت ہی مخصوص صورتوں کے اس بدنصیب امت کو حاصل نہیں اور اس چاردیواری سے باہر قدم رکھنا ہی جو فقہائے متاخرین کی چند کتابوں کو چن کر بنادی گئی ہے۔ ناقابل معافی جرم ہے------- نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کی یہ شریف ولطیف مخلوق یعنی عورت۔ تمام جائز اور فطری حقوق سے یکسر محروم ہو گئی۔ ابتدا زمانہ میں فقہائے متاخرین کے فیصلے اصلی مرکز سے اور زیادہ دور جا پڑے۔ ہندوستان میں ہندو لا اور ہندو رسوم وآئین کی پیدا کردہ فضا نے عورت کی اس مظلومیت کو اور زیادہ کر دیا اور عورت حقوقِ وراثت تک سے جو مذاہب کی تاریخ میں اسلام کی مخصوص اور مستثنیٰ خصوصیت تھی محروم ہو گئی۔ اور اب عہد حاضرہ کے جمود (جم جانا) دماغی نے اسے ایک لاعلاج مرض کی شکل دے دی ہے۔ موجودہ عدالتوں میں مسلمانوں کے پرسنل لاء کی ساری متاع متاخرین فقہا کی چند کتابیں ہی رہ گئی ہیں۔ اس لئے وہ بھی عورت کو روزافزوں تکالیف کا علاج کرنے سے قطعاً قاصر ہیں۔

پس عورت جب اپنے آپ کو مرد کے ظالمانہ پنجوں میں اس قدر مجبور محصور (مقید) پاتی ہے تو وہ اپنی مخلصی کے لئے سایہ عاطفت (مہربانی) محمدی چھوڑ کر دوسرے گوشوں میں پناہ لیتی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تدبیر (فسخ نکاح کے لئے تبدیل مذہب) بھی کتب فقہ کے باب الحیل میں سے ایک انتخاب کردہ حیلہ نہیں؟

پس میں پورے ادب اور پورے زور کے ساتھ عرض کروں گا کہ اس فتنہ کی روک تھام کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ حکومت وقت کے پاؤں پڑ کر ایک قانون بنوالیا جائے۔ اول تو علمائے کرام کی طرف سے ایسا مطالبہ شریعت کاملہ اسلامیہ کی توہین ہے۔ کیونکہ یہ مطالبہ نئے قانون کا مطالبہ نہ ہوگا

بلکہ یہ شریعت حقہ اسلامیہ کے نقص وخامی کا کھلا ہوااعتراف ہوگا۔ دوسرے شریعتِ اسلامی کبھی گوارا نہیں کرسکتی کہ آپ اپنی ضرورتوں کے لئے دوسروں کادروازہ کھٹکھٹائیں تیسرے اسمبلی میں جو قانون بھی مرتب ہوکر منظور ہوگا۔اس کی بنیاد کچھ نہ کچھ ضرور مغربی اصولوں پر رکھی جائے گی۔ جو ہمارے لئے مفید نہ ہوگی۔ نیز ایسا قانون بنواکر آپ فتنہ کاایساباب کھول دیں گے جو ہزاروں ایسی برائیوں کوپیدا کرنے والااورامت مسلمہ کے وجودِ ناتواں کے لئے بمنزلہ ناسور کے ثابت ہوگا۔ خدارا آپ تھوڑی دیر کے لئے غور کریں کہ اگر آپ کی یہ مشکل بغیر انگریزی حکومت کے تیار کردہ قانون کے حل ہونہیں سکتی۔ توآپ کی اس قسم کی دوسری صدہامصیبتوں اور کشمکشوں کاکیابنے گاجووجودِ ملت کو گھن کی طرح کھارہی ہیں؟ کیونکہ ایسی تمام صورتوں میں خدااوررسول کادیاہوا قانون آپ کے ہاتھوں بے کارثابت ہورہاہے۔ کیاایسے ہر مقام پر آپ اس خدائی قانون وشریعت کو چھوڑکر حکومت سے قانون بنواتے چلے جائیں گے۔تاآنکہ شریعت بالکل ختم ہوجائے۔۔۔۔

کیاآپ بھی ہندوؤں کی طرح حکومتِ وقت سے استمداد (امداد طلب کرنا) حاصل کریں گے۔اوراس چیز کوعملاً تسلیم کریں گے کہ ہندومذہب کی طرح آپ کی شریعت کادامن بھی ان چیزوں سے خالی ہے۔ غرض یہ کہ آپ کی مصیبتوں کاکبھی اور کہیں خاتمہ نہ ہوگا۔۔۔۔۔

فرض کروکہ آپ ایسا قانون بنوانے میں کامیاب ہوگئے توکیاآپ اس قانون کے ذریعہ مردوں کی بے راہ روی۔ان کی بے روک نفس پرستی اورہوس ناک (لالچی)۔ان کے غیر محدود تفوق (فوقیت) وبرتری کے خلاف اسلام اعتقاد کو بھی روک سکیں گے؟ جس نے گھر کی چاردیواری کوعورت کے لئے خوف ناک قیدخانہ بلکہ جہنم بنارکھاہے۔ جس نے ہماری منزل زندگی کو بالکل تباہ وبربادکررکھاہے اور جس نے آج ہماری اجتماعی (سوشل) زندگی پرایک گونہ موت طاری کررکھی ہے۔۔۔۔۔۔

میں کہتاہوں کہ یہ فتنہ ان حالات کاقدرتی اور طبعی نتیجہ ہے جوآپ نے صدیوں میں اپنے گردوپیش جمع کررکھے ہیں۔یہ خداکاوہ قانون انتقام ہے۔ جو مسلمانوں کی اس بداعمالی کی پاداش (بدلہ،معاوضہ) میں جووہ عورت کواس کے تمام جائز فطری خداکے بخشے ہوئے حقوق سے محروم کردینے کی شکل میں کررہے ہیں اس عذاب الٰہی کی صورت میں نازل ہورہاہے۔۔۔۔۔

ضروریات ومقتضیات (تقاضاکیاگیا) معاشرتی ومعاشی کے پیشِ نظر مرد کوکارفرمائی اور سربراہی کااعزاز بخشاگیاتھاجوغصبِ حقوق اور تظلم کی شکل اختیار کرگیا۔ بدنصیب مسلم عورت بدترین قسم کی لونڈی متصور ہونے لگی۔ مرد نے جہاں اپنی خود غرضانہ کام جویوں کے لئے اپنے اوپر تفریق اور تبدیلی کی تمام راہیں کھول رکھی ہیں۔ وہاں غریب عورت پر علٰیحدگی اور تفریق کے وہ تمام جائز اور فطری دروازے بھی بند کردئے ہیں۔ جواسلام نے اس پر کھولے تھے۔ عورت جب اپنے منزلی حالات سے مجبور ہوکر عدالت کادروازہ کھٹکھٹاتی ہے تووہ قانون بھی جوعدالت انگریزی کے اندر پرسنل لاء کہلاتاہے اس کی دستگیری سے قاصر رہتاہے۔لامحالہ (ناچار،یقیناً) اسے دوسری راہوں کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔ پس یہ خداکے اٹل قانون انتقام کے عین مطابق ہے۔ جوہمیشہ مختلف حالات میں نسلِ انسانی پراس کی بداعمالیوں کے مطابق مختلف شکلوں میں نازل ہواہے۔

میں یہ پوچھتاہوں کہ جب آپ عورت پر ناموافق مصاحبت (ساتھ اُٹھنے بیٹھنے) سے مخلصی اور نجات کی تمام راہیں بند کرتے ہیں توکیانیت کی ایک قیدلگاکرآپ اس پر اسلام کادروازہ ہمیشہ کے لئے بند نہیں کررہے؟ موجودہ صورت میں کم ازکم پچاس (۵۰)۔ساٹھ (۲۰) فی صد کیسز ضرور ایسے ہیں جواس حیلہ سے طلاق حاصل کرنے کے لئے بعد اسلام کی مقدّس آغوش میں پھرواپس آجاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کے مطالبہ کے مطابق نیت ہی

مدارِ فیصلہ قرار پائے گی تو ایسے پچاس (۵۰) فیصدی کیسز کی واپسی بھی ناممکن ہو جائے گی۔ یہ فطرت کی وہی بغاوت ہو گی۔ جس پر آپ اسے ضرورت سے زاید (زیادہ) دباکر باکرہ (کنواری لڑکی) مجبور کرینگے۔۔۔۔

وہ حقوق جو مرد نے ازراہِ جبر و تشدد غصب کر دیئے ہیں عورت کو واپس دلائیں۔ ناموافق اور ناسازگار ازدواجی زندگی کی صورت میں عورت پر سابقہ پیوند سے مخلصی اور نجات اور آئندہ آزادانہ حق انتخاب کی تمام راہیں کھول دینی چاہئیں۔ علمائے اسلام کو نہایت آزادی کے ساتھ متفقہ طور پر اس امر کا اعلان کرنا چاہیے کہ آئندہ کے لئے نکاح وطلاق وغیرہ معاملات میں ان کا مدار عمل فقہ کی وہ چند کہنہ جزئیات نہ ہوں گی جو اسلام کی دعوت کے کئی سو سال بعد بعض مخصوص حالات کے ماتحت چند دماغوں نے ترتیب دے دیں۔ اور جنہیں آج وقت و متقضیاتِ وقت نے بالکل بے کار بلکہ مضر ثابت کر دیا ہے۔

(۷)

سید مقبول احمد صاحب۔ مولانا عبدالماجد صاحب اور مولوی محی الدین صاحب جیسے اصحاب کی ذہنیت کو مد نظر رکھ کر لکھتے ہیں:

> "جناب محمد ﷺ حضرت موسیٰؑ کی طرح ایک طرف حاملِ اسلام تھے تو دوسری طرف وہ عرب قوم کے صاحبِ شریعت وامر بھی تھے۔ جو قرآن ان کو دیا گیا اس کا ایک حصہ اگر مذہب اسلام کے عالمگیر معرفت اعتقاد سے مخصوص تھا تو دوسرا حصہ ملت عرب کے احیاءِ دنیوی کے لئے مگر ہم نے کبھی اس پر غور نہ کیا کہ ایک کا مخاطب تمام عالم ہے اور دوسرے کا صرف اس زمانہ کے عرب۔ یعنی اس کا ایک حصہ ازلی وانتہائی پہلو لئے ہوئے تھا۔ جس میں عبادت حق، خدمت حق تزکیہ نفس، اعتقاد توحید و معاد پر مشتمل تھا اور دوسرا حصہ زمانی و مکانی یعنی وقتی و عرب کے لئے مخصوص تھا۔ جس میں طہارتِ جسم ولباس۔ معاشرت کے بعض اصول مثلاً اذن لے کر دوسرے کے گھروں یا خلوت میں جانا۔ عورتوں کو بے حیائی کے ساتھ مردوں کے سامنے آنے کی ممانعت، وراثت، ازدواج وطلاق یا تعزیرات مثلاً قطع ید سارق وغیرہ کو محض بطور احسان مزید کے بتادیا اور نہ الہام درحقیقت ان معاملات کی تعلیم کے لئے مکلف (تکلیف دینے والا) نہیں"۔

(رسالہ نگار ماہ مئی ۱۹۲۸ء)

حضرت نیاز مدیر رسالہ نگار فرماتے ہیں۔

> "ہر ترقی کرنے والے مذہب کی جان وسعتِ نظر و خیال ہے۔ یعنی جب تک اس کی آغوش وسیع نہ ہو گی ترقی ممکن نہیں اور اس کی آغوش کی وسعت یہی ہے کہ شروطِ مذہب کو آسان اور پابندیوں کو کم کیا جائے۔ نام و مقام و وضع ولباس۔ معاشرت و معیشت وغیرہ سب سے بے نیاز ہو کر اسلام کے دائرہ کو وسیع کرنا چاہیے"۔

(رسالہ نگار مئی ۱۹۲۸ء)

پس روشن خیال مسلمان ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں کہ قرآنی شرائع (شریعت کی جمع) ملک و قوم عرب سے مختص ہیں اور ان کا اطلاق دنیا کے دیگر ممالک پر نہیں ہو سکتا۔ بالفاظِ دیگر قرآنی احکام اور اسلامی شریعت میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔

فصل ہفتم

قرآن غیر مکمل کتاب ہے

ہم نے اپنی کتاب ”مسیحیت کی عالمگیری“ کے باب دوم میں مسیحیت کی جامعیت پر مفصل بحث کی ہے اور اپنی کتاب ”کلمۃ اللہ کی تعلیم“ میں شرح اور بسط (وضاحت) کے ساتھ انجیل جلیل کی تعلیم کے اصول پر نظر کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ مسیحیت ایک جامع مذہب ہے۔ اور کلمۃ اللہ کے اصول کامل اور عالمگیر ہیں اور دنیا کے ہر ملک و قوم کے رہنما ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(۲)

اہل قرآن کے دعاوی

اس کے برعکس جب ہم قرآن شریف کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ ایک غیر مکمل کتاب ہے۔ قرآن تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ

وَ تَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ

”ہر شے کی تفصیل ہے“

(یوسف آیت ۱۱۱)

وَ کُلَّ شَیۡءٍ فَصَّلۡنٰہُ تَفۡصِیۡلًا

”اس میں ہر ایک چیز کو ہم نے (خدانے) کھول کر بیان کر دیا ہے“

(بنی اسرائیل آیت ۱۲)

ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا

”اسی نے (خدانے) تمہاری طرف (اے محمد) مفصل کتاب نازل کی ہے“۔

(انعام آیت ۱۱۴)

وَ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ

”وہ کتاب نازل کی جو ہر ایک چیز کو بیان کر دینے والی ہے“۔

(نحل آیت ۸۹)

ان دعاوی کا مطلب صاف ہے کہ اس کتاب میں ہر شے کی تمام تشریحات اور تفصیلات موجود ہیں۔ لیکن مضامین کتاب ان دعاوی کی تصدیق نہیں کرتے۔ یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ باستثنائے چند افراد تمام دُنیا کے مسلمان مانتے ہیں کہ

"قرآن شریف کو سمجھنے کے لئے ہم حدیث کے محتاج ہیں"۔

(مقام حدیث صفحہ ۲۲)

اہل اسلام میں مٹھی بھر آدمی ہیں جو قرآن کی مذکورہ بالا آیات کو اپنی خوش فہمی کی وجہ سے حق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں " حدیث کی تشریح وتفصیل کتاب المجید کے سراسر خلاف ہے۔۔۔۔۔ وہ ایک نہایت ہی کریہ النظر بدصورت، زشت رُو۔ بدشکل مصنوعی چیز ہے اس کو رسول عربی سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ کی وفات سے سینکڑوں برس پیچھے بعض خود غرض لوگوں نے از خود یہ ہزلیات (بیہودہ بات) گھڑ لیں اور سیاہ دلی سے ان کو ناحق محمد عربی کے ذمے لگا دیا ہے۔ یہ کام زیادہ تر بعض یہودی ونصاریٰ دشمنان اسلام[1] کا معلوم ہوتا ہے۔ جنھوں نے اسلام کی بیخ کنی کی یہ بہترین راہ سوچی کہ وہ مسلمانی کے لباس میں لوگوں کو قرآن حکیم کی طرف سے ہٹا کر اور طرف لگا دیں"

(مولوی عبداللہ چکڑالوی درالزکوۃ والصدقات صفحہ ۱۲)۔

"قرآن مجید جملہ احکام وتمام مسایل دینِ اسلام کے بارے میں مباح (حلال) تک بھی ہر طرح کامل، مکمل، مفصل مشرح کافی شافی وافی عافی ہے"۔

(مناظرہ مابین مولوی عبداللہ چکڑالوی ومولوی ابراہیم سیالکوٹی صفحہ ۱۸)

"اسلام کی ہر ایک چیز من کل الوجود مفصل ومشرح طور پر بیان کی گئی ہے تو اب وحی خفی یا حدیث کی کیا حاجت رہی بلکہ اس کا ماننا اور دین اسلام میں اس پر عمل درآمد کرنا سراسر کفر شرک ظلم فسق ہے"۔

(مناظرہ صفحہ ۱۹)

"چونکہ یہ کتاب (قرآن) جامع تربیت جسمانی وایمانی ہے پس جو مسائل تکمیل تربیتِ جسمانی وایمانی کے لئے ضروری اور لابدی ہیں وہ سب کے سب قرآن مجید میں مشرح اور مفصل ہیں۔ مثلاً عبادت (مالیہ، بدنیہ، مرکبہ، اعتقادیہ، قولیہ۔ عملیہ۔ عموماً وخصوصاً) سب معاملات وفروع اعتقادیات وعملیاتِ وغیرہ وغیرہ"

(ترجمتہ القرآن بایات الفرقان مصنفہ مولوی عبداللہ چکڑالوی جلد اول صفحہ ۳)

"کلام اللہ جو حضور سرورِ کائنات ﷺ کی طرف وحی کیا گیا ایک ایسا مبین ومفصل دستور العمل (قاعدہ قانون، قانون کی کتاب) ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی اور وحی کی مطلق ضرورت نہیں رہتی"۔

(دیباچہ برہان القرآن، مناظرہ مابین مولوی ثناءاللہ اور مولوی احمد دین)

---

[1] شاید یہ فقرہ اس قرآنی آیہ کی تفسیر القرآن بایات الفرقان ہے جس میں ذکر ہے۔ لتجدن اقربھم مودۃ للذین امنوا الدین قالو انا نصریٰ۔ یعنی تم سب لوگوں میں دوستی کے اعتبار سے مسلمانوں سے ان کو قریب تر پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں (مائدہ ع ۱۱)۔

(۳)

قرآن غیر قرآن کا محتاج ہے

جس شخص نے قرآن کو سر سری نظر سے بھی دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ اہل قرآن کے یہ جملہ دعاوی کلیتہً غلط اور محض بے بنیاد ہیں۔ چنانچہ خود علمائے اسلام نے صرف مثال کے طور پر چند ایک مسائل مرحوم مولوی عبداللہ صاحب اور ان کے ہم خیالوں کے پیش کئے اور پوچھا کہ بتلاؤ ان کا ذکر مفصل اور مشرح طور پر قرآن میں کہاں ہے۔ مثلاً انہوں نے دریافت کیا کہ نماز کے فرئضہ کی تفصیل قرآن میں کہاں آئی ہے۔ یعنی نماز کتنی دفعہ اور کس کس وقت پڑھنی چاہیے مختلف نمازوں کی رکعتوں کا تعین کیا ہے۔ سجدوں کی تعداد کیا ہے۔ تکبیر کہتے وقت کان پکڑنے کا حکم کہاں ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن صرف نماز کی تشریح کے مولوی عبداللہ صاحب کو چار سوسے زائد صفحوں کی کتاب "برہان الفرقان علیٰ صلوٰۃ القرآن" لکھنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ جس میں ایسے مضحکہ خیز دلائل دیئے گئے ہیں کہ اگر کوئی غیر مسلم دیتا تو یقیناً یہ خیال کیا جاتا کہ وہ قرآن کی ہنسی کررہاہے۔ مثلاً تکبیر کے وقت کان پکڑنے کی نسبت آپ نے قرآنی آیت

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۲)

"نماز پڑھ اپنے رب کی اور قربانی کر"

(کوثر آیت ۲)

کو پیش کیا۔اس آیت کا ترجمہ یہ ہے "نماز پڑھ اپنے رب کی اور قربانی کر"۔لیکن مولوی صاحب مرحوم اس کا یہ ترجمہ کرتے ہیں

"تو اپنے رب کی نماز پڑھا کر خاص کر (اپنے وجود کے) اونٹ (کان) کو ذبح (ذلیل و حقیر یعنی پکڑا) کر ہر تکبیر کے ساتھ"۔

(تفسیر القرآن بایات الفرقان جلد سوم صفحہ ۴۵)

مرحوم کا مطلب یہ ہے کہ "نحر" اونٹ کی قربانی کو کہتے ہیں مگر یہاں ذکر اونٹ کی قربانی کا نہیں بلکہ مراد اس اونٹ کی قربانی سے ہے جو انسان کے وجود میں ہے۔انسانی وجود کا یہ اونٹ انسان کا کان ہے کیونکہ جس طرح اونٹ سے فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح کان سے بھی بہت نفع پہنچتا ہے۔اور کان کے ذبح کرنے سے مراد اس کا ذلیل کرنا یعنی پکڑنا ہے پس ثابت ہوگیا کہ نماز میں ہر تکبیر کے وقت کان پکڑنے کا حکم مفصل اور مشرح ہے۔(صفحہ ۲۹۵تا ۳۰۸) کیا کبھی کسی غیر مسلم نے قرآن کو کبھی اس طرح شکنجہ میں کھینچا ہے؟

(۴)

مولانا ثناءاللہ صاحب نے مولوی احمد الدین صاحب امر تسری سے مخاطب ہو کر بیت المقدس یروشلیم کے قبلہ ہونے کی متعلق آیت

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ

یعنی ”اے محمد جس قبلہ بیت المقدس پر تو تھا ہم نے اس کو اس لئے مقرر کیا تھا کہ تابعین کو غیر تابعین سے جدا کر دیں“۔

(بقر آیت ۱۴۳)

پیش کر کے کہا

”مجھ ناقص العلم کو قرآن مجید میں ایسا کوئی فقرہ نہیں ملتا جس میں یہ حکم ہو کہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھو جس سے اس حکایت کا حکمی عنہ مل سکے۔ آپ قرآن مجید میں ان احکام کی تلاش میں کامیاب ہو جائیں تو میں آپ کی اطلاع پہنچنے پر مشکور ہوں گا۔۔۔قرآن مجید میں کتے کی حرمت کے لئے کوئی خاص حکم نہیں۔ شاید آپ تلاش میں کامیاب ہو جائیں“۔

(برہان القرآن صفحہ ۹)

سوال اوّل کے جواب میں مولوی احمد الدین صاحب نے دانی ایل نبی کی کتاب کا حوالہ دیا جو قرآن میں نہیں ہے۔ اور کتے کے حرام ہونے کے بارے میں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے ہم ان مولوی صاحب کی دلیل درج کرتے ہیں ”خدا تعالیٰ نے حرمت کی دو وجہیں بتائی ہیں۔ ایک رجس (پلیدگی) ہونا دوسرا فسق (نافرمانی، گناہ) ہونا۔۔۔۔۔۔۔۔قرآن پاک کا یہ بیان صرف اسی صورت میں ثابت ہو سکتا ہے کہ اگر اہل کتاب فاسق (گنہگار) ہوں اور شکاری جانور رجس سمجھے جائیں۔ اہل کتاب کا فسق[1] ثابت ہے۔ پس اس سے شکاری جانوروں کا خود رجس ہونا بھی لازم آتا ہے۔ اور رجس کو خدا تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ پس صرف ایک کتا ہی حرام نہیں بلکہ تمام ذی ناب اور ذی مخلب حرام ہیں“۔

(برہان القرآن صفحہ ۲۰۔۲۱)

(۵)

اسی طرح مرحوم مولوی عبداللہ صاحب سے کہا گیا کہ قرآن سے دکھلاؤ کہ گدھا حرام ہے۔ اس پر آپ نے یہ دلیل سنائی۔ ”جو چیز رجس ہو یا فاسق وہ حرام ہے اور مطابق آیت

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا

”یعنی ان کی مثال جن پر توریت لادی گئی پھر اسے انہوں نے نہ اٹھایا گدھے کی سی مثال ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے“

(جمعہ آیت ۵)

1۔ یہ شاید اس آیہ قرآنی کی مولویانہ تفسیر القرآن بآیات الفرقان ہے جس میں مذکور ہے کہ ”بنی اسرائیل اذکر ونعمتی التی انعمت علیکمہ وانی فضلتکمہ علی العالمن“ اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں تم کو بخشی اور یہ کہ سارے جہان کے لوگوں پر میں نے تم کو بزرگی عطا کی آپ قرآنی آیت بھول گئے۔ ”افمن کان مومناً کمن کان فاسقالایستون“ بھلا جو شخص مومن ہے کیا اس کے برابر ہو جائیگا جو فاسق ہے؟ نہیں ہرگز نہیں ہو سکتے (سجدہ آیت 18)۔

کے گدھا بھی رجس میں داخل ہے کیونکہ مکذبین کتاب اللہ کو اس کے ساتھ تمثیل دی گئی ہے"(اشاعت القرآن صفحہ ۳۲)۔ لیکن اس آیہ شریفہ میں گدھے کو حرام نہیں بتلایا گیا بلکہ توارۃ شریف کے جھٹلانے والوں کو بوجھ اٹھانے کے لحاظ سے ایک گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ گدھے کا کام بوجھ اٹھانا ہے۔ قرآن اپنی مثال کے لئے کسی اور لادو جانور مثلاً اونٹ وغیرہ یا کسی انسان حمال وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دے سکتا ہے۔ اس لحاظ سے مرحوم مولوی صاحب کی دلیل کے مطابق اونٹ اور انسان حرام اور ناپاک ثابت ہو جاتے ! مولوی صاحب اپنی خود ساختہ تفسیر کے خیال میں ایسے مگن ہیں کہ وہ تاریخی حقیقت بھول گئے کہ یہ آیت مدنی ہے اور مسلمان فتح خیبر تک گدھے کا گوشت برابر کھاتے رہے۔ آپ کو اس بات کا بھی خیال نہ رہا کہ اگر گدھا رجس ہے تو اس کو چھونا۔ گھر میں بطور پالتو جانور رکھنا۔ اس پر سواری کرنا اس پر بوجھ لادنا سب حرام ہوئے بلکہ جو بوجھ از قسم اناج اشیائے خوردنی وغیرہ اس پر لادا جائے وہ بھی ناپاک ہوئے۔

مندرجہ بالا دلائل کو پڑھ کر جن کا علم منطق وفلسفہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہم کو غریب جماعت اہل قرآن کی بے بسی اور بیچارگی پر ترس آتا ہے۔ وہ قرآن کی حمایت میں اس کی آیات کو توڑ مروڑ کر عقل سلیم کو پائمال کرتے ہیں تا کہ کسی نہ کسی طرح سے ان کے دل کی حسرت نکل آئے اور قرآن ایک کامل اور مفصل کتاب ثابت ہو جائے۔ کیونکہ ان کے نزدیک

"قرآن مجید کو مجمل (مختصر، خلاصہ) کہنا اس کو کلامِ غیر اللہ ثابت کرنا ہے"۔

(ترجمۃ القرآن بآیات الفرقان مصنفہ مولوی عبداللہ چکڑالوی جلد اول صفحہ ۲۱۰)

لیکن ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

(۶)

سرسید احمد نے مرحوم نے بھی کوشش کی کہ قرآن کو کامل کتاب سمجھیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں

"میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن مجید پر غور کی اور چاہا کہ قرآن ہی سے سمجھنا چاہیے کہ اس کا نظم کن اصولوں پر واقع ہوا ہے اور جہاں تک میری طاقت میں تھا میں نے سمجھا اور میں نے پایا کہ جو اصول خود قرآن مجید سے نکلتے ہیں ان کے مطابق کوئی مخالفت علوم جدیدہ میں نہ اسلام سے ہے اور نہ قرآن سے۔ پھر میں نے انہیں اصول پر ایک تفسیر قرآن مجید کی لکھنی شروع کی"۔

لیکن یہ کوشش نہ باور ہو سکتی تھی اور نہ ہوئی کیونکہ سرسید کے عقیدت مند دوست مرحوم نواب الحسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں کے الفاظ میں

"آپ نے قرآنی آیتوں کو ایسا ماؤل کر دیا ہے کہ وہ تاویل ایسے درجے پر پہنچ گئی کہ اس پر تاویل کا لفظ بھی صادق نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ نہ سیاق کلام نہ الفاظ قرآنی نہ محاورات عرب سے اس کی تائید ہوتی ہے"۔

(تحریر فی اصول التفسیر صفحہ ۳، صفحہ ۱۳ وغیرہ)

(۷)

انگریزی زبان میں ایک ضرب المثل ہے کہ جس جگہ فرشتے چلنے سے گریز کرتے ہیں وہاں بے وقوف کودپڑتے ہیں۔ پس جائے حیرت نہیں کہ جس بات کو سرسید مرحوم جیسی زبردست ہستی نہ نباہ سکی وہاں مرزا غلام احمد قادیانی جیسے خام خیال تحدی (لڑائی کرنا، للکارنا) کرنے سے نہ جھجکے۔ یہ پُر لطف قصہ یوں ہے کہ ایک صاحب مولوی امام الدین نے یہ خیال پیش کیا تھا کہ قرآن بذات خود کامل کتاب نہیں ہے بلکہ مجمل ہے اور تفصیل و تشریح اور کامل ہونے کے لئے بائبل شریف کی محتاج ہے کیونکہ بائبل مقدس کے بہت سے احکام ایسے ہیں جو اس میں نہیں پائے جاتے۔ اس پر آنجہانی مرزائے قادیانی نے بطور تحدی مولوی صاحب مرحوم کو لکھا کہ

"آپ کے لئے یہ طریق بہتر ہے کہ چند پاک صداقتیں کسی پہلی کتاب کی جو آپ کے گمان میں قرآن میں نہیں پائی جاتیں اس عاجز کے سامنے پیش کریں پھر اگر یہ عاجز قرآن شریف سے وہ صداقتیں دکھلانے میں قاصر رہا تو آپ کا دعویٰ خود ثابت ہو جائے گا"۔

اس کے جواب میں مولوی امام الدین مرحوم نے صرف توریت مقدس کو سامنے رکھ کر مرزائے قادیانی کو لکھا

"امام الکتب والناس توریت مقدس کے ہر پانچ حصص میں شرائع منزل من اللہ بہت سی ایسی ہیں جن کی نسبت یقین کامل رکھتا ہوں کہ وہ قرآن عربی میں پائی نہیں جاتی۔ ازاں جملہ چند مسائل شرعیہ آپ کی درخواست پر ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

(۱) جو کوئی شخص کسی ایسی عورت کے ساتھ وطی (جماع، صحبت) کرے کہ جس کے ساتھ وطی کرنی کسی طرح سے بھی جائز نہیں ہو سکتی مثلاً ماں۔ بہن وغیرہ سے تو ایسے شخص کی سزا کیا ہے؟

(۲) جو شخص وطی فے الدبر (پشت، کسی چیز کا پچھلا حصہ، مقعد) کرے یا کروائے تو اس کی سزا کیا ہے؟

(۳) جو کوئی مرد کسی حیوان سے وطی کرے تو اس کی سزا کیا ہے؟

(۴) جو کوئی عورت کسی حیوان سے وطی کراوے تو اس کی سزا کیا ہے؟

(۵) انسان کے جسم کے اعضا میں سے ایسے ایسے اعضاء کون کون ہیں کہ جن کو دوسروں کی نظروں سے چھپانا چاہیے؟

(۶) پانی کی مقدار ایسی کونسی ہے کہ جس میں اگر کوئی نجس شے پڑ جائے تو بھی پانی کو پلید نہ سمجھا جائے؟

(۷) ظروف گلی یا مسی یا چوبی وغیرہ اگر ناپاک ہو جاویں تو ان کے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

(۸) چارپایوں میں سے مثلاً کتّا، بلا اور اونٹ، گھوڑا اور پرندوں میں سے مثلاً چیل، کوا اور کونج اور بط اور حشرات الارض میں سے مثلاً چوہا اور گوہ اور جانوران آبی میں سے مثلاً مگرمچھ وغیرہ حلال ہیں یا حرام؟

(۹) ذبح کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ یعنی کس طرح اور کس جگہ سے کس قدر کاٹا جائے؟ اور اگر تمام کاٹا جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۱۰) حیض کے دنوں کی تعداد بھی کچھ ہے یا کہ نہیں؟ تا کہ معلوم ہو کہ عورت حیض سے کتنے دنوں کے بعد پاک سمجھنی چاہیے؟

(۱۱)نفاس(وہ خون جو عورت کو بچہ کی پیدائش کے بعد زیادہ سے زیادہ چالیس (۴۰) روز تک ٹپکتا رہے) کے احکام اور اس کے دنوں کی تعداد کہ جن کے بعد عورت نجاست سے پاک ہوسکتی ہے کیا ہے؟

(۱۲)ختنہ کرنا چاہیے یا نہیں؟اور اگر کرنا چاہیے تو کب اور کس موقع سے اور کس طرح سے کیا جائے؟

(۱۳)جو کوئی شخص خیانت کرے تو اس کی سزا کیا ہے؟

(۱۴)زکوۃ نقد اور مویشی اور غلات (غلہ کی جمع،اناج)اور اثمار (ثمر کی جمع، پھل) کی کس کس وقت اور کس کس قدر ادا کرنی چاہیے؟

(۱۵) کنجری کے نکاح کرنے سے جو بچہ پیدا ہو وہ خدا پاک کی جماعت میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اب متقضائے حمیت یہ ہے کہ مسائل مندرجہ صدر میں سے جو جو مسئلہ جس جس آیت قرآن عربی میں منصوص(قرآن کی وہ آیات جو قابل تاویل نہ ہو) ہو اس اس آیت نص (قرآن مجید کی وہ آئتیں جو صاف اور صریح ہوں) کو نقل کر کے بھیجیں"

(خط و کتابت بامرزا غلام احمد قادیانی صفحہ ۲۳تا۲۵)۔

جب مرزا صاحب کو یہ خط ملا تو بے اختیار نے زبانِ حال سے فرمایا۔ جل تو جلال تو۔آئی بلا کو ٹال تو۔آپ نے اپنے فرشتے ٹیچی ٹیچی سے الہام پا کر بیماری کا عذر کر کے بات ٹال دی اور ۳۰ ستمبر ۱۸۸۹ء میں مولوی صاحب کو لکھا کہ انشاءاللہ میرا ارادہ ہے کہ براہین احمدیہ کے کسی محل پر آپ کا جواب الجواب لکھوں"۔ مولوی صاحب مرحوم نے آٹھ (۸) برس انتظار کر کے ۲ نومبر ۱۸۹۷ء میں پھر ایک لمبا چوڑا بیس (۲۰) صفحے کا خط مرزا جی کو لکھا لیکن آنجہانی نے ایسی چپ سادھ لی کہ مر گئے لیکن زبان نہ کھولی۔ سچ ہے۔ایک چپ ہزار بلا کو ٹالتی ہے۔

کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے

کہ حشر تک جاگنا قسم ہے

(۸)

مندرجہ بالا سطور میں علمائے اسلام نے صرف وہ مسائل پیش کئے ہیں جن کا تعلق امور شرعیہ کے ساتھ ہے اور جن کی نسبت وہ خود تحدی (لڑائی کرنا،للکارنا) کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قرآن میں درج نہیں ہیں۔ چونکہ اہل اسلام کا دل اور دماغ زیادہ تر شریعت کی سطح پر ہی رہتا ہے لہٰذا ان علماء نے اپنی تحقیق کو شرعی امور تک ہی محدود رکھا، لیکن اگر وہ شریعت کی سطح سے بلند پرواز ی کر کے روحانیت کی جانب متوجہ ہو کر معرفت الٰہی کے اعلیٰ اصول کو قرآن میں تلاش کرنے کی زحمت اٹھاتے تو ان پر یہ اظہر من الشمس (روز روشن کی طرح عیاں) ہو جاتا کہ سارے کا سارا قرآن اعلیٰ اصولوں سے سرا سر خالی پڑا ہے۔ قریباً ساٹھ (۶۰) سال کا عرصہ ہوا۔ مرحوم پادری جی۔ ایل۔ ٹھاکر داس صاحب نے اپنے رسالہ "عدم ضرورت قرآن" میں مفصل طور پر اس مضمون پر بحث کر کے علمائے اسلام کو چیلنج دیا تھا کہ قرآن کی وہ آیات پیش کریں جہاں ان روحانی اصول کا ذکر ہے۔ جو بائبل شریف میں موجود ہیں۔ چونکہ اس بحث کو طول دینا تحصیل حاصل ہے۔ لہٰذا ہم ناظرین کو اس کتاب کی جانب متوجہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ (یہ کتاب ہماری ویب سائٹ پر موجود ہے)

(۹)

حدیث قرآن کی کمی کو پورا نہیں کر سکتی

جب سے مولوی محمد علی صاحب۔ایم۔اے نے قادیان کی تاریک چار دیواری سے (جہاں علم وعقل کادم گھٹتا ہے) نکل کر لاہور کی علمی فضا میں سانس لینا شروع کیا ہے آپ نے اپنے پیر ''حضرت اقدس مسیح موعود۔ مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کرشن ثانی'' کی بعض باتوں اور فاسد (تباہ، بربادی) عقیدوں سے عملاً توبہ کرلی ہے۔سطور بالا میں آنجہانی مرزاصاحب کے الفاظ درج کئے گئے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کے خیال میں قرآن ایک مفصل اور کامل کتاب ہے جو غیر قرآن کی محتاج نہیں۔لیکن مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں دبی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ قرآن کامل کتاب نہیں (تیسرا باب) اور کہ قرآن غیر قرآن کامحتاج ہے اور کہتے ہیں

''کامل مکمل مفصل ومشرح کافی وافی عافی''

کتاب کیا کرتی ہے کہ جو اصل باتیں تفصیل کرنے کے قابل ہوتی ہیں انہی کو چھوڑدیتی ہے؟ باستثنائے اہل قرآن تمام علمائے اسلام بھی اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن غیر قرآن کامحتاج ہے چنانچہ

''حدیث معاذ وغیرہ کے مطابق اہل حدیث صاحبان بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کسی فیصلہ کرنے کے لئے پہلے قرآن مجید سے حکم تلاش کرنے چاہئیں۔اگر قرآن مجید میں نہ ملیں تو حدیث کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے اور اگر حدیث میں بھی اس کے متعلق احکام نہ ہوں تو اجتہاد رائے (فقہ اسلامی کی اصطلاح میں قرآن وحدیث اور اجماع پر قیاس کرکے شرعی مسائل کااخذ کرنا، غوروخوض سے کسی مسئلہ کاحل کرنا) کے اصول پر عمل کرنالازم''

(برہان القرآن صفحہ ۴۰) اللہ اکبر۔

چہ شکرہاست دریں شہر کہ قانع شدہ اند
شاہبازان طریقت بہ شکارے مگسے

پس باستثنائے چندافراد روئے زمین کے مسلمان یہ اقبال کرتے ہیں کہ قرآن شریف غیر قرآن کامحتاج ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ''غیر قرآن'' کیا شے ہے؟ اہل اسلام کہتے ہیں وہ حدیث ہے لیکن ساتھ ہی حدیثوں کے ایک بڑے حصے کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔اگرچہ اہل اسلام نے نہایت احتیاط کے ساتھ احادیث کی تنقید کی ہے اور اصول تنقید۔علم جرح (راوی کو بے اعتبار ثابت کرنا) اور تعدیل (اس کو قابل اعتبار ثابت کرنا) علم اسم الرجال (رُجل کی جمع، بہت سے مرد) وغیرہ کو ترتیب دے کر نہایت جانفشانی کے ساتھ محنت شاقہ (سخت محنت، دشوار محنت) کرکے جھوٹی اور سچی روایات اور احادیث میں تمیز کرنے کی کوشش کی ہے اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ صحاح ستہ (حدیث کی چھ مستند کتابیں۔بخاری، مسلم، ترمذی،

ابوداؤد،ابن ماجہ،نسائی) کے مجموعہ کی احادیث قابل اعتبار ہیں بالخصوص امام بخاری کے مجموعہ احادیث کو قرآن کے بعد اصح الکتب (درست ترین کتاب) قرار دے دیاہے۔ لیکن لطف یہ ہے کہ جب غیر مسلم صحاح ستہ کی کتب اور امام بخاری کی سند پر احادیث کا حوالہ دے کر اسلام پر اور رسول عربی کی زندگی پر کوئی کتاب لکھتے ہیں توان کو"شاتم رسول"(رسول کو گالی دینے والا) کہہ کر قتل دیا جاتاہے۔ چنانچہ مرزا احمد سلطان صاحب نے اپنی کتاب"ہفوات المسلمین"(تراہا بہرام خاں گلی مفتیاں۔دہلی) میں امام بخاری وغیرہ کی چند احادیث جمع کی ہیں۔اپنی کتاب کے دیباچہ میں آپ لکھتے ہیں

"اہل سنت کی کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں جس میں خدا اور انبیاء اور رسل کی تفضیح (بے عزتی) نہ ہو اور سب سے زیادہ تفضیح حضور المرسلین و تقبیح امہات المومنین کی کتب اسلامی میں ہے۔۔۔۔ تھوڑے رنگار نگ کے نمونے اس غرض سے پیش کئے جاتے ہیں کہ ہمارے غیور مسلمان ان روایات او احادیث واہیہ وکاذبہ (بے ہودہ اور جھوٹ) کو کتبِ اسلامی سے خارج کریں"

(ہفوات المسلمین صفحہ ۲)

سچ تو یہ ہے کہ غیور مسلمان تو یک جا رہے ہر سلیم ذوق والا انسان امام بخاری وغیرہم کی بعض احادیث کو پڑھ کر شرم کے مارے سر جھکائے بغیر نہیں رہ سکتا۔خود راقم الحروف کو اپنی کتاب"**محمد عربی**"کو تالیف کرتے وقت امام بخاری کے مجموعہ کو بغور مطالعہ کرنے کا ناگوار اتفاق ہوا تھا۔

پس کتبِ احادیث خواہ وہ بخاری کی اصح الکتب ہی کیوں نہ ہو بمصداق ع

اور خود گمراہ ست کرا رہبری کند۔

اس قابل نہیں کہ ان پر ایمانیات کے بارے میں کلی اعتماد کیا جاسکے۔اسی بناء پر اہل قرآن اور ان کے ہم خیال اصحاب یہ گوارا نہیں کرتے کہ قرآن جیسی کتاب کو احادیث کا محتاج گردانا جائے وہ کہتے ہیں کہ

"خدا نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور اس حفاظت کو قرآن مجید کی صداقت کی دلیل بنایا گیا ہے۔۔۔۔۔۔ اب اگر حدیثیں بھی اس ذمہ میں داخل ہیں یا اگر قرآن مجید کی طرح بحفاظت تمام ہم تک نہیں پہنچیں اور جو پہنچی ہیں ان میں رسولِ خدا یا صحابہ کے وقت کا کوئی نوشتہ موجود نہیں جو اہل اسلام کے ہاتھوں میں متداول رہا ہو۔بلکہ وہ سب شہادت در شہادت (کہاں تک لکھا جائے)۔کے طور پر آئی ہیں اور یوں وہ ظنی ہوگئی ہیں وہ غریب وضعیف بھی بن گئی ہیں بلکہ ان میں ترغیب وترہیب کے لئے جھوٹ بھی ملایا گیا ہے بلکہ مختلف فرقوں نے اپنی اپنی اغراض کے لئے مختلف بھی بنالی ہیں اور ان میں موضوع حدیثیں ہی نہیں بلکہ موضوع آیات بھی بنا کر شامل کی گئی ہیں تو اس سے صاف کھل جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حدیث کو اپنی حفاظت سے نکال دیا ہے"۔

(برہان القرآن صفحہ ۸۲۔۸۳)

(۱۰)

حقیقت تو یہ ہے کہ اہل اسلام نے احادیث کے جمع کرنے اور ان سے سند لینے میں اہل یہود کی پیروی کی اور ان کی دیکھا دیکھی یہ کتب بنائیں۔ پس احادیث اور دیگر کتب فقہ یہودیت کی مرہون احسان ہیں۔ جو درجہ اہل یہود کے نزدیک کتب طالمود کا ہے وہی درجہ اہل اسلام کے نزدیک کتب احادیث کا ہے۔ اہل اسلام نے اہل یہود سے راویوں کا سلسلہ وغیرہ قائم کرنا سیکھا۔ چنانچہ اہل یہود میں راویوں سے یوں سند لی جاتی تھی "ربی **الف** نے کہا کہ اس نے ربی **ب** کو یوں کہتے سنا کہ "وغیرہ وغیرہ۔ جس طرح اہل یہود اپنی کتب روایات کو کلام ربانی سے مانتے ہیں اسی طرح اہل اسلام اپنی کتب احادیث کو وحی خفی (پوشیدہ، باریک) مانتے ہیں اور یہ عقیدہ انہوں نے یہودیت سے ہی سیکھا ہے کہ اگر تم دونوں مذاہب کی کتب روایات کا مقابلہ کرو تو تم دیکھو گے دونوں کی کتب روایات کے عنوانات تک یکساں ہیں۔ یہودیت میں کتب فقہ بھی ہیں جو "حلقہ" کے نام سے موسوم ہیں۔ اسلامی کتب فقہ انہی کتب حلقہ کے سانچے میں ڈھالی ہوئی ہیں۔ اور تم کو بصد مشکل فقہ کا کوئی ایسا مسئلہ ملے گا جو یہودی "حلقہ" کا مرہون منت نہ ہو۔

(۱۱)

قرآن بائبل کا محتاج ہے

مذکورہ بالا بحث سے دو باتیں ظاہر ہیں۔ **اول** یہ کہ قرآن ایک غیر مکمل کتاب ہے اور ضرور غیر قرآن کی محتاج ہے۔ اور **دوم** یہ کہ احادیث کا مجموعہ اس قابل نہیں کہ قرآن کے اس نقص کو رفع کر سکے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل اسلام کے لئے اس مخمصہ (جھگڑا، بکھیڑا) میں سے نکلنے کی کوئی راہ ہے یا نہیں؟

جواباً عرض ہے کہ قرآن خود اپنے مجمل اور غیر مکمل ہونے کے نقص کو پورا کرنے کی راہ بتلاتا ہے اور چونکہ مسلمانوں نے اس راہ سے غفلت اختیار کرلی لہٰذا وہ صحیح راہ سے کوسوں دور بھٹک گئے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ قرآن مجید نے خود اپنی کمی محسوس کرکے آپ اس نقص کو دور کرنے کا اصول بھی قائم کر دیا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

"یعنی (اے محمد) اگر تجھ کو اس چیز میں جو ہم نے تیری طرف اتاری کچھ شک ہو تو ان لوگوں سے پوچھ لیا کرو جو بائبل[1] کو تجھ سے پہلے پڑھا کرتے ہیں"

(یونس آیت ۹۴)

پھر کتاب مقدس کے انبیاء کا تذکرہ کرکے فرمایا۔

1۔ عربی لفظ "الکتاب" یونانی لفظ "بائبل" کا لفظی ترجمہ ہے۔

هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی۔ پس ان ہدایت کی پیروی کر"

(انعام آیت ۹۰)

چنانچہ رسول عربی اس حکم پر عمل بھی کرتے رہے

قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۴۹)

"کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم خدا کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو تاکہ میں بھی اسی کی پیروی کروں"

(سورہ قصص آیت ۴۹)

پھر جو حکم اللہ نے آنحضرت کو دیا وہی سب مسلمانوں کو دیا اور فرمایا

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۴۳)

"اے مسلمانو اگر تم کو کسی شے کا علم نہ ہو تو بائبل والوں سے دریافت کر لیا کرو"۔

(سورہ النحل ۴۳)

مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہے۔ کہ خود رسول عربی قرآنی مشکلات کو قرآنی آیات سے حل نہ کر سکے اور آپ کو حکم ہوا کہ جب اس قسم کی مشکل آپڑے تو بائبل مقدس کی مدد لیا کرو اور آنحضرت اس حکم پر چلتے بھی رہے۔ اور مسلمانوں کو بھی یہی حکم ہوا کہ تم کو بھی جب کسی مسئلہ کی نسبت علم نہ ہو تو بائبل شریف کی طرف رجوع کیا کرو۔ لیکن اہل اسلام کے علماء نے ان کو اس سیدھے رستے اور الٰہی حکم اور سنتِ نبوی سے ورغلا دیا اور الہیٰ حکم کو **بمصداق وراء ظهور همه** پس پشت پھینک دیا اور کہا کہ تم قرآن کا حل قرآن میں ڈھونڈو یا کہہ دیا کہ تم بائبل کی بجائے حدیث رسول کی جانب رجوع کیا کرو۔ اور یہ بھول گئے کہ جب حضرت خود قرآنی مشکلات کو قرآن سے حل نہ کر سکے تو ماوشما کیوں کر کر سکیں گے اور جب رسول آپ اپنی زندگی میں یہ مرحلہ پورا نہ کر سکے تو اب حدیث رسول کس طرح اس کٹھن منزل کو طے کر سکے گی بالخصوص جب حدیث کا حال وہ ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے؟

اگر علمائے اسلام اس الٰہی حکم اور سنت نبوی کو محکم پکڑ لیتے تو ان پر یہ ظاہر ہو جاتا کہ تمام مسائل شرعیہ جن کو وہ کتب احادیث و کتب فقہ میں تلاش کرنے میں حیران و سرگرداں (حیران و پریشان) رہتے ہیں۔ توریت مقدس میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے توریت کی نسبت کہا

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (۱۵۴)

''ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو نیکوکاروں کے لئے پورا فضل ہے جس میں ہر ایک بات کے لئے تفصیل ہے۔وہ ہدایت اور رحمت ہے''

(سورہ انعام آیت ۱۵۴)

امور شرعیہ جو بالتفصیل توریت میں مندرج ہیں قرآن کے مجمل احکام کو پورا کرتے ہیں۔اس کے علاوہ روحانیت کے تمام اصول جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے کتب انبیائے سابقین میں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ قرآن کا یہ منشاء ہی نہ تھا کہ اہل اسلام بائبل شریف کی تلاوت کو ترک کردیں اور صرف اسی کو پڑھیں۔ بلکہ قرآن کا یہ منشا تھا اور واجبات میں سے تھا کہ جس طرح مسیحی انجیل جلیل کے ساتھ ساتھ انبیائے سابقین کی کتب کی تلاوت کرتے ہیں اسی طرح مسلمان ایماندار بھی قرآن شریف کے ساتھ ساتھ توریت مقدس کتب انبیائے سابقین اور انجیل جلیل کی تلاوت جاری رکھیں۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے

تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ

''اے مسلمانوں تم (وہ ہو جو) تمام کی تمام بائبل پر ایمان لاتے ہو''

(سورہ آل عمران آیت ۱۱۹)

لیکن احکام الٰہی کی ضد میں اور منشائے قرآنی اور سنت نبوی کے خلاف علمائے اسلام کہتے ہیں

نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ

''ہم صرف قرآن پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا۔اور اس کے علاوہ جو نازل ہوا اس کو نہیں مانتے حالانکہ وہ حق ہے''۔

(سورہ بقر آیت ۹۱)

خدا ایسے ہی نافرمانبردار لوگوں کو مخاطب کرکے ڈراتا اور کہتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ

''تم جو خدا کی کتابوں کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو جو شخص تم میں ایسا کرے گا اس کا بدلہ سوائے اس کے کیا ہے کہ اس دنیا میں اس رسوائی ہو اور قیامت میں بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے''۔

(سورہ بقر آیت ۸۵)

علمائے اسلام نے الٰہی حکم اور تعذیب (دکھ دینا، عذاب کرنا) سے روگردانی کرنے کے لئے یہ حیلہ تراشا ہے کہ بائبل مقدس محرف (تحریف کیا گیا، بدلہ گیا) ہوگئی ہے۔اس کے جواب میں ہم قرآنی آیت کے الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ

قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

"تو کہہ دے اگر تمہارا یہی ایمان ہے اور تم ہی ایماندار ہو تو تمہارا ایمان تم کو برا سکھاتا ہے"

(سورہ بقر آیت ۹۳)

ہم نے تحریف کے مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ "صحت کتب مقدسہ" لکھا ہے جس میں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ من گھڑت الزام سراسر غلط بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے ہم نے بحکم

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ

"سیدھی ترازو میں تولو"

(سورہ بنی اسرائیل ۲۷)

کتاب مقدس اور قرآن شریف کی صحت کا موازنہ بھی کیا ہے۔ لہٰذا ہم یہاں اس بحث میں نہیں الجھتے بلکہ ناظرین کی توجہ اس کتاب کی جانب مبذول کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور قرآنی الفاظ میں مسلمانوں کو ببانگ دہل (ڈر اور خوف سے صدا یا آواز دینا) دعوت دیتے ہیں۔ یا اہل الاسلام

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

"اے مسلمانو! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے"

(سورہ آل عمران آیت ۶۴)

کتاب مقدس ہی صرف ایک شے ہے جو یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں میں یکساں ہے۔

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (۱۹۶)

"بیشک یہ قرآن اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں مذکور ہے"

(سورہ شعراء آیت ۱۹۶)

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰـهُنَا وَاِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ

"تم کہو کہ اے یہود اور عیسائیو ہم قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اترا اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر اتریں اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے"

(سورہ عنکبوت آیت ۴۶)

پس اہل اسلام کو اسی عالم گیر کتاب کی طرف دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ الٰہی احکام قرآنی آیات اور سنت نبوی کے موافق اس پر عمل کر کے نجات حاصل کریں۔

وما علینا الا البلاغ۔

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو میگوئم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

ختم شدہ